بیادگار **خواجہ عبدالحکیم انصاری** رح
بانی سلسلہ

ماہنامہ **فلاحِ آدمیت** گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 10 شمارہ 2 اکتوبر 2006ء رمضان 1427ھ

ایڈیٹر **وحید احمد**

مجلس ادارت

سالانہ فنڈ ---- 200/- روپے
---- 20/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
نیو ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:055-3881379
Mob:0300-7409533

عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

درسِ قرآن

المائدہ

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰؒ)

المائدہ! اس سورۃ کو دوسری سورتوں سے ممتاز و ممیز کرنے کیلئے اِس کا نام "المائدہ" رکھا گیا ہے۔ اور یہ نام اِسی سورۃ میں مذکور ایک واقعہ کی مناسبت سے ہے۔

زمانہ نزول و شانِ نزول

جنگِ اُحد کے پریشان کن حالات سے نکل کر جنگِ خندق کا ایک اور معرکہ مسلمان دیکھ چکے تھے۔ جس نے اہلِ عرب کے دل دہلا دیئے اور مسلمانوں کی دھاک دور دراز تک بیٹھ گئی۔ جنگِ خندق کے بعد نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ "کفر والے اب ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے بلکہ ہم کفار کا تعاقب کریں گے"۔

اِسی دور میں نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بتایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم مسلمان امن و امان کی حالت میں بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، چنانچہ مسلمانوں نے عمرہ کیلئے تیاری شروع کر دی۔ 6 ہجری کا واقعہ ہے کہ عمرہ کیلئے جانے والے مسلمانوں کو کفارِ قریش نے عرب روایات کے برعکس مکہ میں طواف اور مناسک عمرہ کی ادائیگی سے روک دیا۔ رد و کد اور بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ مسلمان آئندہ سال عمرہ اور زیارت کیلئے کعبہ آ سکیں گے۔

احکام کے ذیل میں ابھی تک حج وغیرہ کے تفصیلی احکام نازل نہ ہوئے تھے۔ اِس سورۃ میں مناسکِ عمرہ اور حج کے علاوہ سفرِ حج کے آداب بھی تلقین فرمائے گئے تاکہ مسلمان پوری شان و شوکت اور اسلامی آداب کے ساتھ عمرہ ادا کریں۔ نیز کوئی مسلمان انتقامی طور پر عرب کے دیگر مشرک قبائل کو سفرِ حج کے دوران میں کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائے۔ یہ اس لئے کہ بہت سے عرب قبائل کو حج کیلئے مسلمانوں کے علاقوں سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ اور اب مسلمانوں کی حدود مملکت نجد، شام، مکہ اور ساحلی علاقہ میں بحیرہ احمر تک پھیل گئی تھیں۔ اب مسلمان شکست خوردہ نہیں بلکہ مسلسل جد و جہد اور سرفروشی کے باعث مختصر مدت ہی میں عرب کا نقشہ بدلنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اب یہودی سازش کا دور گزر چکا تھا اور اس کی بجائے یہود کے بیشتر قبائل مسلمانوں کے باجگوار بن چکے تھے۔ نیز غزوہ خندق کے بعد اہلِ عرب یقین کر چکے تھے کہ اسلام محض اعتقادات اور

رسومِ عبادت کا نام نہیں بلکہ اسلام کی حکمرانی دلوں اور دماغوں کے ساتھ ساتھ اپنے ماننے والوں کی زندگی کے مختلف شعبوں پر بھی محیط ہو چکی ہے اور مسلمانوں کو یہ بات پوری شدت سے بتا دی گئی تھی کہ زندگی کے ہر شعبہ میں واضح احکام وہدایات کے بعد اِن عقائد واعمال میں کسی دوسرے مذہب کی رسوم کو اپنانے کی اجازت ہرگز نہیں ۔اسلام کا اپنا ایک ضابطہ حیات ہے اور ایک مستقل تہذیب اس کی پہچان ہے۔عقائد ونظریات، عبادات ومعاملات، معاشرت وتمدن وغیرہ ہر چیز دوسری قوموں سے جدا اور ممتاز ہے۔اِسی طرح مسلم علاقوں میں مساجد کی تعمیر، نماز باجماعت کیلئے ہر بستی اور قبیلے کیلئے ائمہ کا تقرر، عدالتوں کیلئے دیوانی اور فوجداری قوانین کا نفاذ، خرید و فروخت کے معاملات میں اصلاحات، عائلی قوانین کے ذیل میں نکاح، طلاق کے ساتھ عمومی زندگی میں نشست وبرخاست اور رہن سہن کے طریقوں کو با قاعدہ رواج دیا جا رہا تھا۔

تمدنی وتہذیبی تکمیل اور صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں نے دینِ حق کے پرچار اور تبلیغ کیلئے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔اب مسلمانوں کو یہ مہلت میسر آ چکی تھی کہ وہ گردوپیش کے علاقوں میں دعوتِ حق کو پہنچائیں۔نبی اکرم ﷺ نے اِسی دور میں ایران، روم اور دیگر علاقوں کے امراء و روساء کو خطوط کے ذریعے دینِ حق کی دعوت دی۔

مضامین

درج بالا حالات کی روشنی میں سورۃ کے مضامین کو یوں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

(الف) مسلمانوں کو ہر شعبہ زندگی کیلئے ہدایات، سفرِ حج کے آداب، شعائرِ اسلامی اور زائرین کعبہ کے احترام کے ساتھ ساتھ خورد ونوش کے سلسلہ میں حلال وحرام کی تمیز، دورِ جاہلیت کے من گھڑت رسوم ورواج کے خاتمے کیلئے واضح ہدایات اِس سورۃ میں بیان کی گئی ہیں۔

(ب) اِسی طرح معاشرتی زندگی میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کی اجازت، جوا، شراب، چوری کی سزا، قسم کے کفارہ اور قانونِ شہادت کے سلسلے میں ایک شق کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

(ج) عبادات کے ذیل میں وضو، تیمم، غسل اور نشے کی حالت میں نماز کے احکام کی تصریح کی گئی ہے۔

(د) سابقہ اُمتوں کے احوال خصوصاً اقتدار کے نشہ کے باعث گمراہی کے تباہ کن اثرات کا ذکر کر کے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ عدل پر قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کا جو عہد و

بیان انہوں نے کیا ہے، اُسی پر قائم رہیں، نیز زندگی کے سارے معاملات میں احکام الٰہی کی پابندی کریں اور منافقت سے مکمل طور پر اجتناب کریں، بصورتِ دیگر انجام پہلی قوموں سے مختلف نہ ہوگا۔

(ہ) شمالی عرب اور یہودی بستیوں پر مسلمانوں کی عملداری کے بعد یہود و نصاریٰ کو دعوت دی گئی کہ وہ نبی عربیؐ پر ایمان لائیں۔ اِسی طرح بت پرست اور مجوسی اقوام کو بھی راہِ راست (اسلام) اپنانے کی تلقین کی گئی۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ! ''اے ایمان والو! اپنے وعدوں کو پورا کرو، تمہارے لئے تمام چوپائے اونٹ، بکری اور گائے (وغیرہ) حلال کئے گئے ہیں سوائے ان کے جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ احرام کی حالت میں شکار کو حلال مت سمجھنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے''۔ (المائدہ:1)

ایفائے عہد

سورۃ کے آغاز میں وعدے کے ایفاء کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:۔

ترجمہ! ''جو شخص امانت کا پاس نہیں کرتا، اس کا ایمان نہیں اور جو شخص عہد کا پاس نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں''۔

یہاں عہد و پیمان کی اہمیت کا ذکر کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص وعدہ کر لینے کے بعد اِس وعدہ کو پورا نہیں کرتا تو گویا اِس شخص کا کوئی دین ہی نہیں۔ کیونکہ دنیا کا کوئی مذہب اور دین ایسا نہیں جس میں عہد و پیمان پورا نہ کرنے کی رُخصت دی گئی ہو۔ اِس مقام پر ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر کوئی شخص وعدہ کرتے وقت اس کے ایفاء کا عزم رکھتا ہو مگر کوئی ایسا شرعی یا اخلاقی عذر پیش آ گیا کہ وہ اس وعدہ کو پورا نہ کر سکا تو وہ اللہ کے ہاں مجرم نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں عہد شکنی کو منافقت کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

اِس کے بعد جانوروں میں سے حلال و حرام جانوروں کی تفصیلات مذکور ہیں اور نیکی و خیر کے کاموں میں تعاون کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز فرمایا گیا ہے کہ گناہ اور برائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی کسی صورت بھی معاونت نہ کی جائے۔ کیونکہ اب اسلامی نظام حکومت تکمیل کے مراحل

طے کر چکا ہے اور کفر کی دنیا یہ سمجھ چکی ہے کہ مسلمانوں کو ہڑپ کرنا اور مٹانا ممکن نہیں ۔

کفار کی مایوسی

ارشادِ ربانی ہے:۔

ترجمہ: ''آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم ان سے نہیں بلکہ مجھ سے ڈرو''۔ (المائدہ 3:)

اِس وقت دنیا میں کوئی نظریہ حیات، کوئی دین، اور کوئی مذہب نہیں جو بحیثیت ایک نظریہ کے گردن تان کے اسلام کے سامنے کھڑا ہو سکے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا اکرم اور انعام ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام کی تکمیل کا اعلان خالق کائنات نے خود فرمایا ہے۔

نعمتِ عظمیٰ، تکمیل دین، آفاقیت، ابدیت، ختم نبوت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

ترجمہ: ''آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا ہے''۔ (المائدہ 3:)

دین مکمل ہوا اور اس طرح مکمل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی پوری نعمتیں جو بندوں پر نچھاور کی جا سکتی تھیں، ان کے لئے انتخاب دین، اکمال دین اور اتمام نعمت سب مرحلے بخیر و خوبی سر انجام پا گئے۔ اِس کے ساتھ بطور پس منظر چند باتیں پیش خدمت ہیں، ان کے بغیر بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔

آفاقیت

حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل جتنے بھی انبیاء مبعوث ہوئے، وہ خاص علاقے، خاص قوم اور مخصوص وقت کیلئے تھے۔ دیکھ لیجئے کہ انجیل مقدس میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کیلئے آئے اور جب کنعان کی ایک عورت اپنا مسئلہ لے کر آئی تو انہوں نے معذرت کر دی کہ چونکہ تو کنعان سے آئی ہے اور تمہارا بنی اسرائیل سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ اِس کے برعکس حضور اکرم ﷺ پوری انسانیت کیلئے تشریف لائے۔ تمام قوموں کیلئے اور تمام ملتوں کیلئے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

ترجمہ: "(اے پیغمبر) کہہ دیجئے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔
(الاعراف: 158)

دوسری بات یہ کہ دین کو مکمل کر دیا گیا۔ قرآن سے پہلے جتنی بھی شریعتیں آئیں، وہ محدود لوگوں اور محدود زمانوں کیلئے تھیں۔ اِس لئے ان کی مصلحتیں عارضی تھیں۔ وہ علاقائی اور قومی تھیں، اِس لئے وہ مکمل نہیں تھیں۔ انسان ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے اس مرحلے پر آن پہنچا کہ خوشخبری کے انداز میں اُسے کہا گیا کہ "آج اللہ تعالیٰ نے اپنا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا"۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے فرمایا:۔ ؎

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را
او رُسل را ختم ما اقوام را
خدمت ِ ساقی گری با ما گذاشت
داد ما را آخری جامے کہ داشت
حفظ سر وحدتِ ملّت ازدست
حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست
تا ابد اسلام را شیرازہ بست

ابدیت

تیسری بات یہ ہے کہ اب آئندہ سے دین میں کوئی تبدیلی یا تحریف نہ ہو سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِس کی حفاظت اپنے ذِمے لے لی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

"ہم ہی نے قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔ (الحجر: 9)

اِس کتاب کی حفاظت کی گئی اور یہ قرآن آج سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل سے بلاتحریف موجود ہے۔ جب یہ تین باتیں مکمل ہو گئیں تو چوتھی بات اِس کا لازمی نتیجہ تھی کہ اب نبوت کی ضرورت نہیں رہی اِس لئے کہ نبی مذکورہ بالا تین کاموں میں سے کسی کام کو پورا کرنے کیلئے آتے تھے:۔

1۔ دین کے کسی نامکمل حصے کو مکمل کرنے کیلئے۔

2۔ نبوت خاص علاقے اور خاص وقت کیلئے ہوتی تھی۔ چنانچہ کسی خاص قوم یا کسی خاص وقت کے تقاضے کو پورا کرنے کیلئے نبی بھیجا جاتا تھا۔

3۔ دین اور کتاب الٰہی میں تحریف کر دی جاتی تھی۔ اس تحریف کو ختم کرنے کیلئے نبی کو بھیجا جاتا تھا۔ اب یہ تینوں باتیں اس طرح ختم ہوگئیں:۔

1۔ دین مکمل کر دیا گیا۔

2۔ دین اور نبوتِ محمدی علی صاحب الصلاۃ والسلام خاص علاقے یا خاص وقت کے ساتھ مخصوص ہونے کی بجائے آفاقی بنا دی گئی یعنی اسلام کی یہ صورت پوری انسانیت کا دین قرار دے دیا گیا۔

3۔ دین، کتاب الٰہی اور پیغام الٰہی کی مکمل حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی لے لیا تاکہ آئندہ اس میں کوئی تحریف نہ ہو سکے۔

ان تینوں باتوں کے مکمل ہو جانے کے بعد اب نبوت کی ضرورت باقی نہ رہی۔

ختم نبوت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

ترجمہ! ''محمد رسول اللہ ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے والد نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء پر مہر ہیں''۔(الاحزاب:140)

یہ چاروں امر قرآن مجید سے ثابت ہیں۔

خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی جب سلسلہ انبیاء کی تکمیل ہوگئی اور دین کامل کی شکل میں اسلام کو پسند فرمالیا تو بلا شک وشبہ یہ بات پورے دعویٰ کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ''دنیا میں اس وقت صرف ایک ہی دین ایسا ہے جو بحیثیت مجموعی ایک مکمل اور جامع اجتماعی نظام ہے''۔ یعنی دنیا میں اور کوئی دین ایسا موجود نہیں جو مکمل سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام پیش کرے اور اپنی جامعیت اور کاملیت کا دعویٰ بھی کر سکے۔ یہ صرف اسلام کا اعجاز ہے کہ وہ پوری زندگی کیلئے ایک

ضابطہ حیات پیش کرتا ہے۔ دنیا میں آپ کسی بھی مذہب کو اختیار کریں۔اس میں آپ کو صرف چند عقائد وعبادات اور انفرادی مذہبیت کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔مزید برآں اجتماعی زندگی میں اس کا شائبہ تک نہیں ہوگا۔

صرف اسلام بحیثیتِ نظام موجود ہے

راقم کو بارہا یورپ اور امریکہ جانے کا اتفاق ہوا۔عیسائی دنیا صرف اس حد تک عیسائی ہے کہ وہ اتوار کے اتوار یعنی ہفتہ میں ایک مرتبہ چرچ چلے جاتے ہیں۔انہیں عملی زندگی میں پورے کا پورا نظام مادی فلسفہ زندگی سے لینا پڑتا ہے۔سیاسی نظام انہیں انسانوں کے گھڑے ہوئے فلسفہ مادیت سے لینا پڑتا ہے۔معاشی نظام کے طور پر انہیں سرمایہ دارانہ نظام اپنانا پڑتا ہے۔حد یہ ہے کہ عدالتی نظام بھی انہیں انسانوں کے مادہ پرستانہ قانون ساز اداروں سے لینا پڑتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت کے پاس کوئی سیاسی نظام، معاشی نظام یا معاشرتی نظام موجود نہیں۔یہ انسانیت کی بدنصیبی ہے کہ آج لوگوں کی اکثریت ایسے مذاہب کے ساتھ وابستہ ہے جن کا کوئی اجتماعی نظام نہیں کیونکہ اسلام کے علاوہ دنیا میں جتنے بھی دین موجود ہیں، وہ صرف انفرادی زندگی تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ان کا اجتماعی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔یہ صرف اسلام ہے جو ہمیں ایک مکمل دین کی شکل میں ایک مکمل سیاسی، معاشی اور سماجی نظام پیش کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید اس ارشاد کے ذریعہ عالم انسانیت کو خبردار کر رہا ہے بلکہ خوشخبری سنا رہا ہے کہ دین و دنیا کی فوز وفلاح اور کامیابی وکامرانی کیلئے اس کائنات کے خالق نے اس نظام اور دین کو پسند کرلیا ہے اور اسلام بحیثیت مکمل شریعت کے آج ہمارے سامنے موجود ہے جس کی حفاظت کا ذمہ بھی اس کو پسند کرنے والے نے خود ہی لے لیا ہے۔

احکام شریعت نعمت الٰہی ہیں نہ کہ سبب پریشانی

قرآن پاک میں اعتقادی ونظریاتی طہارت وپاکیزگی کے پہلو بہ پہلو ظاہری طہارت کے احکام بھی مذکور ہیں۔سورۃ مائدہ میں وضو، غسل اور تیمم کا طریقہ بتایا گیا ہے اور اس کے بعد وضاحت کردی کہ اللہ تعالیٰ ان احکامات کے ذریعے انسانیت کو پریشان نہیں کرنا چاہتے بلکہ یہ

احکام انسان کی بہتری بھلائی اور عمومی سہولت کیلئے دیئے گئے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

ترجمہ! ''اللہ تعالیٰ تمہاری زندگی تنگ نہیں کرنا چاہتا مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے، اور اپنی نعمت تم پر تمام کردے، شاید کہ تم شکر گزار بندے بن جاؤ''۔(المائدہ:6)

اِس کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت تم پر تمہیں تنگ کرنے کیلئے نافذ نہیں کی جارہی بلکہ یہ تو تمہاری زندگی کو مزید آسان اور حسین بنانے کیلئے نافذ کی جارہی ہے۔اِس کے نتیجہ میں ہمیں چار فوائد حاصل ہوتے ہیں:۔

1۔ دل ودماغ کی پاکیزگی۔

2۔ عملی زندگی اور خصوصاً حقوق العباد میں معاملات واخلاق کی پاکیزگی۔

3۔ حکمت الٰہی کا یہ تقاضا ہے کہ اس کے بندوں کو نفاذ شریعت کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ نعمتیں میسر آسکیں۔

4۔ اِس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ سے زیادہ شکر گزار بندے بن سکیں۔

مقاصدِ شریعت

شریعت کے پانچ مقاصد ہیں۔یہ انسان کی پانچ اہم ترین ضرورتوں کو پورا کرنے یا بالفاظ دیگر پانچ اُمور کی حفاظت سے متعلق ہیں:۔

1۔ انسانی جان کی حفاظت۔

2۔ انسانی آبرو کی حفاظت۔

3۔ انسانی مال کی حفاظت۔

4۔ انسانی عقل کی حفاظت۔

5۔ انسان کے دین کی حفاظت۔

جان، عزت اور مال کی حفاظت تو واضح ہے۔عقل کی حفاظت سے مُراد یہ ہے کہ فکر اور سوچ پر کوئی پہرے نہ ہوں۔یعنی آزادی تحریر وتقریر۔آخر میں دین کی حفاظت سے مُراد یہ ہے کہ ہر

شخص کو اپنا دین، اپنی اپنی سوچ کے مطابق اختیار کرنے کی اجازت ہے۔کوئی شخص کسی دوسرے کو زبردستی یا لالچ دے کر مسلمان نہیں بنا سکتا۔ایک شخص ہندو، سکھ یا عیسائی ہے اور اسلامی معاشرے کا رکن ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے دین پر قائم رہے۔اپنی مرضی کے مطابق عبادت، اور جس طرح چاہے انفرادی زندگی گذارے۔یہ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔اس کے دین کے اعمال میں کوئی شخص اگر رکاوٹ ڈالے گا تو اسلامی حکومت اِس کا راستہ روکے گی۔اس کا ہاتھ پکڑے گی اور اگر کوئی اس کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش کرے گا یا لالچ کے ذریعے اس کا مذہب تبدیل کرے گا تو اسلامی حکومت اسے سزا دینے کی مجاز ہو گی اور اگر کچھ آوارہ منش لوگ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو گرانا چاہیں تو اسلامی حکومت اِس کا سختی سے نوٹس لے گی خواہ وہ غیر مسلموں کی عبادت گاہ کرانے والے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔یہ شریعت کے مقاصد ہیں۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور سزا

آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا لیکن انہوں نے اس عہد کو پورا نہیں کیا وہ عہد یہ تھا۔

ترجمہ! ''اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں بارہ نقیب مقرر کئے تھے ان سے کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے، میرے رسولوں کو مان کر اُن کی مدد کی اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے تو یقین رکھو کہ میں تمہاری برائیاں تم سے زائل کر دوں گا اور تم کو ایسے باغات میں داخل کروں گا۔جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔اِس کے بعد تم میں سے جس نے کفر کی روش اختیار کی تو بلاشبہ وہ سیدھی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔یعنی اِس نے راہِ اعتدال چھوڑ دی۔پھر یہ کہ انہوں نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا تھا جس کی وجہ سے ہم نے اِن کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور اُن کے دل سخت کر دیئے''۔(المائدہ 12-13)

رمضان المبارک۔رحمت اور مغفرت کا مہینہ

(ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی)

رمضان المبارک ایسا مہینہ ہے کہ اِس کا اول حصہ یعنی پہلا عشرہ رحمت ہے اور درمیان اِس کا مغفرت اور آخری حصہ آگ (جہنم) سے آزادی ہے۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے نبی کریمﷺ رمضان سے پہلے ایک دن خطبہ کیلئے کھڑے ہو گئے اور خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا کہ لوگو رمضان تمہارے قریب آ گیا تم عبادت کیلئے مستعد ہو جاؤ اور اچھے کپڑے پہنو اور اِس مہینے کی عظمت کرو بیشک اِس کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام حرمت والی چیزوں سے بڑی ہے۔

روزہ قرآن کی زبان میں درسِ تقویٰ ہے اور تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی پوری زندگی میں کوئی بھی اقدام کرتے ہوئے ہر معاملے کو اس لحاظ سے دیکھے اور جانچے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ خدا کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے؟ اِس کے قانون اور ہدایت نامہ حیات میں کس شے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور کس چیز سے روکا گیا ہے؟ انسان کی خواہشات جب اِس پر دباؤ ڈالیں اور جذبات کے گردابوں میں گر جائے، ایک طرف طرح طرح کے مفادات اِس کے سامنے ہوں اور دوسری طرف تکالیف اور نقصانات کے اندیشے موجود ہوں تو وہ مسائل حیات کے جنگل میں اپنے لئے صراط مستقیم تلاش کر کے اِس پر مضبوطی سے قدم جمائے تو اِسکی یہی روش تقویٰ ہے۔ بالفاظ دیگر انسان کے ذہن وقلب میں یہ بات ہر وقت مستحضر رہے کہ اِس کا خالق ومالک ہر آن اِسے دیکھ رہا ہے، وہ کسی لمحہ بھی اِس کی آنکھ سے اوجھل نہیں۔ وہ ہر وقت اِس کے سامنے ہے۔ آقا نظر کے سامنے ہو تو کوئی غلام اطاعت کی روش سے نہیں ہٹ سکتا، اِس کے کسی حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتا۔

مسلمان کی زندگی کا مقصد دنیا سے ظلم اور برائی کا قلع قمع کرنا اور انصاف اور سچائی کو قائم کرنا ہے۔ یعنی جن باتوں سے اللہ اور اس کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰﷺ نے روکا ہے اِس سے خود رُکنا اور دوسروں کو روکنا اور جن باتوں کا اللہ اور اسکے پیارے حبیبﷺ نے حکم دیا ہے ان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرنا۔ اِس کٹھن نصب العین کیلئے جس مضبوط اور بے لچک کردار کی ضرورت ہے اِسے پیدا کرنے کیلئے اسلام نے عبادات خمسہ مقرر کی ہیں۔ ان عبادات میں روزہ کو نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ کیونکہ روزہ تقویٰ کا درس ہونے کے ساتھ ساتھ صبر وانضباط کی

عملی تربیت بھی ہے۔انسانی زندگی کے لئے یہ تربیت نہایت ضروری ہے کیونکہ زندگی کا کوئی بھی معرکہ صبر وانضباط کے بغیر سر نہیں کیا جا سکتا۔

روزہ مادہ پرستی کے خلاف ایک اعلان جنگ بھی ہے۔اگر ایک طرف جسم کی زندگی اور اس کے بنیادی تقاضوں کی تکمیل ضروری ہے تو دوسری طرف یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ انسان کی خواہشات اس کو اپنے گھیرے میں لے کر اس بری طرح نہ دبائیں کہ پھر وہ زندگی کے کسی پاکیزہ اور تعمیری مقصد کی تکمیل کے قابل نہ رہے اور اس میں خواہش پرستی، زر پرستی، جنس پرستی، آرام پرستی، عیش پرستی یا بالفاظ دیگر خدا فراموشی نہ پیدا ہو جائے۔کیونکہ بدقسمتی سے مادہ پرستانہ تہذیب کی منحوس پرچھائیاں مسلمانوں پر بھی پڑی ہیں اور وہ پست خواہشات کے گرداب میں اس بری طرح پھنس گئے ہیں کہ روزہ رکھنا تو درکنار، اس سے احترام رمضان کا تقاضا بھی نہیں پورا ہوتا کہ دوسروں کے سامنے کھانے پینے اور سگریٹ نوشی سے اجتناب کریں۔یہ بے صبرے پن اور خدا فراموشی کی آخری حد ہے اور اس دعوے کو آپ غلط نہ پائیں گے کہ ہمارے معاشرے میں جن مختلف سماجی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی بدعنوانیوں کو فروغ ملا ہے ان کی افزائش میں بے صبر اور خدا فراموش طبقے کا بڑا حصہ ہے جو اپنی خواہشات کے مقابلے میں شکست کھا چکا ہے۔روزے کا ایک مہینے کا کورس ہر سال آدمی کو خواہشوں کو منضبط بنانے کے قابل بناتا ہے۔روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ انسان کے ذہن میں ہمہ وقت یہ تصور رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بصیر ہے اِسے دیکھ رہا ہے۔انسان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ پر اس کے ایمان لانے کا بہترین مظہر ہے۔روزہ کی ایک ماہ کی یہ ٹریننگ انسان کے اندر یہ قوت پیدا کرتی ہے کہ وہ سال کے باقی مہینوں میں بھی تصور کو قائم رکھے اور اس کام سے رُکا رہے، جس سے اللہ نے اِسے منع کیا ہے۔

روزہ اگر صحیح شعور کے ساتھ رکھا جائے تو دولت اور مادی ذرائع و وسائل اور لذات دنیا کے مقابلے میں انسان کا مقام و کردار بلند ہو جاتا ہے اور دوسری ہر مادی چیز اِس کو اپنے مقام سے فروتر نظر آتی ہے۔بخلاف اِس کے کہ ہم آج کی دنیا کو جس کے ماحول نے دولت اور مادی اسباب کے مقابلے میں انسان کو کمتر بنا دیا ہے، فتنہ و فساد سے بھرا ہوا پاتے ہیں۔انسان جب ''مادیت'' پر سواری کرنے کی بجائے اِس کا محکوم بن جاتا ہے تو اس کی انسانیت کی اخلاقی متاع تباہ ہو جاتی ہے اور اِس میں حیوانیت اُبھر آتی ہے۔تاریخ کے جس دور سے ہم آج گزر رہے ہیں اِس میں انسان باوجود تعلیم و تعقل کے جس طرح مظالم اور خونریزیوں اور سازشوں کا سرچشمہ بنا ہوا ہے ان کی وجہ سے دنیا ایک جہنم بن گئی ہے۔آج کی انسانی زندگی روٹی، پیسے، جنس اور عہدہ و اقتدار کی جدوجہد

کیلئے وقف ہو کر رہ گئی ہے اور ان مقاصد کیلئے فرد فرد کے خلاف، طبقہ طبقے کے خلاف اور قوم دوسری قوم کے خلاف برسرِ کشمکش ہے اور جس انسان کو اللہ تعالٰی نے زمین میں اپنی نیابت کا اعزاز سونپ کر اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا وہ اپنے خالق اور اپنے مقصدِ زندگی کو بھلا کر درندہ بن گیا ہے۔

روزہ ابنِ آدم کو اِسی خوفناک بگاڑ سے بچانے کیلئے فرض کیا گیا ہے کیونکہ جس معاشرے میں یادِ الٰہی یعنی یہ تصور کہ اللہ ہر لحہ اِسے دیکھ رہا ہے نیز تقوٰی، صبر اور انضباط کار فرما ہوں، وہاں حیوانیت اور درندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان تو ہر سال روزے رکھتے ہیں، راتوں کو تراویح میں قرآن بھی سنتے ہیں، پھر ان کے ہاں یہ معاشرتی، اخلاقی، اقتصادی اور سیاسی بگاڑ کیوں ہے۔ اِس سوال کا جواب ہمیں اِس حدیث پاک سے ملتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ جنہیں اپنے روزوں سے سوائے (بھوک) پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے ہیں کہ جنہیں اپنی اِس عبادت سے رات کی نیند سے محرومی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ (دارمی)

اس فرمان نبوی ﷺ سے معلوم ہوا کہ اعمال کی دو حیثیتیں ہیں ایک تو ان کی ظاہری حیثیت ہے، یعنی وہ شکل جس کے مطابق وہ عمل انجام دیئے جاتے ہیں اور دوسری ان کی باطنی حیثیت ہے یعنی ان اعمال کی اصل حقیقت اور روح جو ان سے مطلوب ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے روزہ رکھا اور اس نے دن بھر کچھ کھایا پیا نہیں، تو اس نے روزہ کی ظاہری شکل کو پورا کر دیا لیکن اگر وہ دن بھر خدا کو بھولا رہا اور روزے کی حالت میں ہر طرح کے ناجائز افعال کرتا رہا، تو ظاہری بات ہے کہ اِس نے روزے کے اصل مقصد کو فوت کر دیا۔ اس طرح درحقیقت اِس شخص نے اپنے روزے سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں کیا۔ جبکہ منشاء یہ ہے کہ اِس کی ظاہری شکل کے ساتھ ساتھ اِس کی اصل حقیقت اور روح کو فراموش نہ کیا جائے۔ روزہ میں ان باتوں سے احتراز کیا جائے جن سے خالقِ کائنات نے منع فرمایا ہے۔ پھر روزوں میں کی ہوئی اِس مشق کو (یعنی اطاعتِ خداوندی کے عمل کو) پورے سال پیشِ نظر رکھا جائے۔ کیونکہ اعمال کی حقیقی روح ہے اللہ تعالٰی کی یاد، اس کی محبت، اسکی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ، اس کے حضور جوابدہی کا احساس، اس کا خوف اور اس کے احکام و قوانین کی ہمہ وقت پیروی اور ان کی بجا آوری کا خیال۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے اعمال کے اندر حقیقی روح پیدا ہوتی ہے۔

ماہِ رمضان میں ہماری غذا:۔

رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے اس مہینے میں روزے دار کو جو روحانی اور جسمانی فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ بے حد و بے حساب ہیں لیکن یہ سب فوائد اس صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جب ہم صحیح طریقے سے روزہ رکھیں اور غذا میں مناسب احتیاط برتیں۔ روزہ ضبطِ نفس کی تربیت دیتا ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ ہم کھانے پینے کے معاملے میں کسی بے صبرے پن کے مرتکب نہ ہوں خاص طور پر افطار کے وقت جب دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کے بعد بھوک شدید ہوتی ہے اور دستر خوان پر طرح طرح کی مزیدار اور پر تکلف چیزیں رکھی ہوتی ہیں اپنی خواہش کو قابو میں رکھنا اور بسیار خوری سے بچنا صحت و تندرستی کیلئے بہت فائدہ مند ہے۔

ہمارے ہاں افطار پارٹیوں کا رواج عام ہے ایسے موقعوں پر ثقیل، بادی اور دیر ہضم مزیدار چیزوں کو بطور خاص دستر خوان کی زینت بنایا جاتا ہے جبکہ ان کی بجائے ہم صحت بخش اور زود ہضم چیزوں کا بھی اہتمام کر سکتے ہیں جنہیں کھا کر ہمیں تندرستی اور شگفتگی حاصل ہو سکتی ہے۔

افطاری کے وقت بھوک کے باعث بعض لوگ کھانا بہت جلدی جلدی کھاتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ کھانا آہستہ آہستہ اور چبا کر کھانا چاہیے۔ تاکہ دن بھر آرام کے بعد یکدم زیادہ بوجھ نہ پڑے اور دانتوں کا کام معدہ کو انجام دینا پڑے۔ جو لوگ کھانا چبا کر نہیں کھاتے ان کا معدہ اور آنتیں خراب ہو جاتی ہیں۔ اس طرح کھانا بھوک سے ذرا کم کھانا چاہیے۔ اس سے صحت اچھی رہتی ہے۔ جن لوگوں کا معدہ اور آنتوں کی تکلیف ہو انہیں کھانے کے دوران پانی بہت کم پینا چاہیے۔ شکم سیر ہونے سے طبیعت میں گرانی محسوس ہوتی ہے جس کے باعث عبادت میں بھی لطف نہیں آتا اور خاص طور پر نمازِ تراویح کے دوران سستی اور غنودگی کا غلبہ رہتا ہے۔ بسیار خوری اکثر امراض کا باعث بنتی ہے رمضان کے مہینے میں اس سے بچنا چاہیے۔

جس طرح روزہ معدے اور آنتوں کے مریضوں کیلئے مفید ہے بشرطیکہ وہ سحر و افطار میں احتیاط برتیں اسی طرح روزہ موٹاپے کا بھی بہترین علاج ہے روزہ رکھنے سے زائد جسمانی وزن جس کا بار دل کو اٹھانا پڑتا ہے کم ہو جاتا ہے اور فالتو چربی بھی کم ہو جاتی ہے۔

افطار کی طرح سحری کے وقت بھی احتیاط سے کھانا چاہیے اور مرغن غذاؤں کی بجائے سادہ غذائیں کھانی چاہئیں۔ البتہ غذا میں ضروری اجزاء کئی قسم کے ہیں ان میں سے ایک قسم نشاستہ دار چیزوں کی ہے جن میں آٹا، میدہ اور شکر شامل ہیں۔ دوسری قسم لحمیات کی ہے جن میں انڈا، مچھلی اور دودھ شامل ہے۔ تیسری قسم چکنائی کی ہے۔ (جن میں گھی، تیل اور مکھن شامل ہے ان میں سب سے کم ضرورت چکنائی کی ہوتی ہے خاص طور پر چوپایوں سے حاصل ہونے والی چکنائی، جیسے گھی،

چربی اور مکھن وغیرہ ان کے کثرت استعمال سے دل کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں لہٰذا دوسرے دنوں کی طرح ماہِ رمضان میں بھی چکنائی میں تلی ہوئی چیزیں دیر ہضم ہوتی ہیں۔
نشاستہ دار چیزیں چکنائی میں تلنے سے دیر ہضم ہو جاتی ہیں ہر چند انسانی جسم کیلئے یہ اجزاء ضروری ہیں لیکن ان کی مقدار انسانی محنت اور تن و توش کے لحاظ سے مقرر ہونی چاہیے۔ ان کے ہضم سے جو گرمی بدن میں پیدا ہوتی ہے وہ محنت کرنے، بدن کی حرارت قائم رکھنے اور اندرونی اور بیرونی اعضاء کے کام میں صرف ہوتی ہے۔ جتنی گرمی یہ کام کرنے کیلئے ضروری ہے وہ پیدا کرنے کیلئے اگر غذا کھائی جائے تو با سانی ہضم ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں بدن چست تر و تازہ شگفتہ رہتا ہے اور انسانی صحت بحال ہوتی ہے اگر غذا اس سے کم یا زیادہ ہو گی تو دونوں صورتوں میں تندرستی میں خلل پیدا ہو گا۔
غذا میں وٹامنز یعنی حیاتین کی موجودگی بھی لازمی ہے اور رمضان میں تو ان کی ضرورت یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کے باعث جسم میں ان کی کمی واقع ہو جاتی ہے یہ وٹامنز عموماً سبزیوں اور تازہ پھلوں میں موجود ہوتے ہیں وٹامن اے مکھن، مچھلی اور تیل میں موجود ہوتا ہے اس کی کمی سے آنکھوں کی کئی تکالیف پیدا ہو جاتی ہیں۔
وٹامنز کے علاوہ چند نمکیات کا بھی قلیل مقدار میں غذا میں شامل ہونا ضروری ہیں ان میں زیادہ اہم لوہے اور فاسفورس کے نمک ہیں لوہے کے نمک خون کی پیدائش کو بڑھانے اور فاسفورس کے نمک ہڈیوں کے بنانے میں کام آتے ہیں یہ نمک سبزیوں اور پھلوں میں کافی مقدار میں ہوتے ہیں۔
رمضان میں سبزیوں اور پھلوں کا استعمال خاص طور پر کرنا چاہیے۔ افطار کے وقت لیموں کا استعمال مفید ہے یہ وٹامن سی سے بھرپور ہوتا ہے اور پیاس کی شدت کو بھی کم کرتا ہے۔ اسی طرح ہاضمہ کیلئے وٹامن بی کے اجزاء کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ وٹامنز بھی گوشت، انڈے اور ہرے پتوں والی تازہ سبزیوں میں موجود ہوتا ہے۔ وٹامن ڈی انڈے مچھلی اور مکھن کے علاوہ کلیجی میں موجود ہوتا ہے۔
ماہِ رمضان میں غذا کا استعمال اس طرح کرنا چاہیے کہ انسانی جسم میں ان وٹامنز کی کمی نہ ہونے پائے۔ ماہِ رمضان میں ان کا خیال رکھنا ضروری ہے تا کہ روزے کا اصل مقصد بھی پورا ہو اور انسانی صحت بھی خوب سے خوب تر ہو جائے۔ (بشکریہ نوائے وقت)

ماہِ رمضان

(نفس انسان کا امتحان)

(مولانا قادرالرحمٰن)

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کا تیسرا فرض ہے۔ جو اسے فرض نہ سمجھے وہ مسلمان نہیں رہتا اور جو اس فرض کو کا ادا نہ کرے وہ سخت گناہگار اور فاسق ہے۔

روزہ رکھنے کیلئے نیت شرط ہے

نیت کہتے ہیں دل کے قصد وارادے کو، چاہے زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے۔ اگر روزہ کا ارادہ نہ کیا اور تمام دن کچھ نہیں کھایا پیا تو روزہ نہ ہوگا۔ رمضان المبارک کے روزے کی نیت رات سے کرلینا بہتر ہے اور رات کو نہ کی ہو تو دن کو بھی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک کرسکتا ہے بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

روزہ کب ٹوٹتا ہے

(۱) کان اور ناک میں دوا ڈالنا۔ (۲) قصداً منہ بھر کے قے کرنا۔ (۳) کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا۔ (۴) عورت کو چھونے وغیرہ سے ناپاک ہونا۔ (۵) کوئی ایسی چیز نگلنا جو عادتاً کھائی نہیں جاتی مثلاً لکڑی، لوہا، کچے گیہوں کا دانہ وغیرہ۔ (۶) لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا۔ بیڑی، سگریٹ، حقہ پینا اِسی حکم میں داخل ہیں۔ (۷) بھول کر کھاپی لیا، (۸) رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھالی۔ (۹) دن باقی تھا مگر غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا ہے، روزہ افطار کرلیا۔ اِن سب باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

(۱۰) جان بوجھ کر ملاپ کرنے یا کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ تب قضا بھی لازم ہوتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ کہ ایک غلام آزاد کرو ورنہ ساٹھ روزے متواتر رکھو۔ بیچ میں ناغہ نہ ہو ورنہ پھر شروع سے ساٹھ روزے پورے رکھنے پڑیں گے، اگر روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ۔ آج کل شرعی غلام یا باندی کہیں نہیں ملتے، اِس لئے آخری دو صورتیں متعین ہیں۔

روزہ مکروہ کب ہوتا ہے؟

(۱) بلا ضرورت کسی چیز کو چبانا یا نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا۔ ٹوتھ پیسٹ، منجن یا کوئلے سے دانت صاف کرنا بھی مکروہ ہے۔ (۲) تمام دن حالت جنابت میں غسل کیے بغیر رہنا۔ (۳) فصد کرانا، کسی مریض کیلئے اپنا خون دینا جو آجکل رائج ہے، یہ بھی اس میں داخل ہے۔ (۴) غیبت یعنی کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا۔ یہ ہر حال میں حرام ہے۔ روزے میں اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔ (۵) لڑنے جھگڑنے اور گالی دینے سے بھی روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

روزہ کب نہیں ٹوٹتا؟

یہ وہ کام ہیں جن کے کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (۱) مسواک کرنا۔ (۲) سر یا مونچھوں پر تیل لگانا۔ (۳) آنکھوں میں دوا یا سرمہ ڈالنا۔ (۴) خوشبو سونگھنا۔ (۵) گرمی اور پیاس کی وجہ سے غسل کرنا۔ (۶) ٹیکہ لگوانا۔ (۷) بھول کر کھانا پینا۔ (۸) حلق میں بلا اختیار دھواں، گرد وغبار یا مکھی وغیرہ کا چلا جانا۔ (۹) کان میں پانی ڈالنا یا بلا قصد چلے جانا۔ (۱۰) خود بخود قے آنا۔ (۱۱) سوتے ہوئے احتلام ہو جانا۔ (۱۲) دانتوں میں سے خون نکلے، مگر حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آتا۔ (۱۳) غسل کی حاجت ہوئی، تو صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں روزہ کی نیت کرلی، تب روزے میں خلل نہیں آئے گا۔

روزہ نہ رکھنے کے عذر

یہ وہ عذر ہیں جن کے سبب روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ (۱) بیماری کی وجہ سے طاقت نہ ہو، یا مرض بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے، بعد رمضان اس کی قضا لازم ہے۔ (۲) جو عورت حمل سے ہو اور روزے میں بچہ یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے، بعد میں قضا کرے۔ (۳) جو عورت اپنے بچے یا کسی غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے، اگر روزہ رکھنے سے بچے کو دودھ نہیں ملتا اور اسے تکلیف پہنچتی ہے، تو روزہ نہ رکھے پھر قضا کرے۔ (۴) مسافر شرعی (جو کم از کم اڑتالیس میل کے سفر کی نیت پر گھر سے نکلا ہو) اس کیلئے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے پھر اگر کچھ تکلیف و دقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر ہی میں روزہ رکھ لے۔ اگر

خودیا اپنے ساتھیوں کو اس سے تکلیف ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔(۵) بحالت روزہ سفر شروع کیا تو اس روزہ کا پورا کرنا ضروری ہے۔اگر کچھ کھانے پینے کے بعد سفر سے گھر واپس آ گیا تو باقی دن کھانے پینے سے احتراز کرے۔(۶) کسی کو قتل کی دھمکی دے کر روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے، تو اس کیلئے توڑ دینا جائز ہے۔وہ پھر قضا کر لے۔(۷) کسی بیماری یا بھوک کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ کسی ماہر طبیب کے نزدیک جان جانے کا خطرہ لاحق ہو، تو روزہ توڑ دینا جائز بلکہ واجب ہے۔پھر اس کی قضا لازم ہوگی۔(۸) عورت کیلئے ایام حیض میں اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے یعنی نفاس کے دوران روزہ رکھنا جائز نہیں۔ان ایام میں وہ روزہ نہ رکھے بعد میں قضاء کرے۔بیمار، مسافر، حیض ونفاس والی عورت جن کیلئے رمضان میں روزہ نہ رکھنا اور کھانا پینا جائز ہے، انہیں لازم ہے کہ وہ رمضان المبارک کا احترام کریں اور سب کے سامنے کھاتے پیتے نہ پھریں۔

روزہ کی قضا

(۱) کسی عذر سے روزہ قضا ہو گیا اور عذر جاتا رہے، تو اسے جلد ادا کر لینا چاہیے۔زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں۔قضا روزوں میں اختیار ہے کہ متواتر رکھے یا ایک ایک دو دو کر کے رکھے۔(۲) اگر مسافر سفر سے لوٹنے یا مریض تندرست ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے جس میں قضا شدہ روزے ادا کرے، تو قضا اس کے ذمے لازم نہیں۔سفر سے لوٹنے اور بیماری سے تندرست ہونے کے بعد جتنے دن ملیں، اتنے ہی کی قضا لازم ہوگی۔

سحری

روزے دار کو آخر رات میں صبح صادق سے پہلے پہلے سحری کھانا مسنون اور باعث برکت و ثواب ہے۔نصف شب کے بعد جس وقت بھی کھائیں سحری کی سنت ادا ہو جائے گی۔لیکن شب میں کھانا افضل ہے۔اگر موذن نے صبح سے پہلے اذان دی، تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں جب تک صبح صادق ہو جائے۔سحری سے فارغ ہو کر روزے کی نیت دل میں کر لینا کافی ہے زبان سے بھی یہ الفاظ پڑھ لیں، تو اچھا ہے۔**وبصوم غد نویت من شهر رمضان**

افطاری

آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد افطار میں دیر کرنا مکروہ ہے۔ہاں جب ابر وغیرہ کی وجہ سے اشتباہ ہو تو دوچار منٹ انتظار کر لینا بہتر ہے تین منٹ کی احتیاط بہر حال کرنی چاہیے۔

کھجور اور خرما سے افطار کرنا افضل ہے اور کسی دوسری چیز سے افطار کریں تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں۔افطار کے وقت یہ دعا مسنون ہے۔ **اللھم انی لك صمت وبك امنت وعليك توكلت وعلى رزقك افطرت۔**

افطار کے بعد یہ دعا پڑھے! **ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللهُ۔**

تراویح

تراویح کی جماعت سنت الکفایہ ہے۔محلے کی مسجد میں جماعت ہو مگر کوئی شخص علیحدہ اپنے گھر میں اپنی تراویح پڑھ لے تب سنت تو ادا ہو گئی ،اگر چہ وہ مسجد اور جماعت کے ثواب سے محروم رہا۔اگر محلّہ ہی میں جماعت نہ ہوئی ،تو سب کے سب ترک سنت کے گناہ گار ہوں گے۔تراویح میں پورا قرآن مجید ختم کرنا بھی سنت ہے۔کسی جگہ حافظ قرآن سنانے والا ملے یا نہ ملے مگر سنانے پر اُجرت ومعاوضہ طلب کرے،تو چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح ادا کریں۔اُجرت دے کر قرآن نہ سنیں کیونکہ قران سنانے پر اُجرت لینا اور دینا حرام ہے۔جس شخص کی دوچار رکعت رہ گئی ہوں،تو جب امام وتر کی جماعت کروائے،اِسے بھی جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے،اپنی باقی ماندہ تراویح بعد میں پوری کرے۔قرآن کو اِس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں،بڑا گناہ ہے۔اِس صورت میں نہ امام کو ثواب ملے گا اور نہ مقتدی کو۔جمہور علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔ (بشکریہ اُردو ڈائجسٹ)

اسلام اور رواجی پردہ

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

تیسرا حکم

والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحاً فلیس علیهن جناح الی یضعن ثیابهن غیر متبرجت بزینة وان لستعفن خیرٌ لهن۔

وہ خانہ نشین عورتیں جنہیں کسی نکاح کی توقع باقی نہ رہی ہو اگر اپنے کپڑے اس طرح اُتار دیں کہ زینت کی نمائش نہ ہو تو اِس میں کوئی ہرج نہیں۔ تاہم اگر وہ بھی عفاف اختیار کریں تو ان کیلئے زیادہ بہتر ہے۔

(۱) ایسی خانہ نشین عورتیں یا تو وہ ہو سکتی ہیں جو بوڑھی ہو چکی ہوں یا اگر بوڑھی نہ ہوں تو کسی وجہ سے وہ اپنے اندر کوئی ظاہری کشش نہ رکھتی ہوں۔ گھر کے اندر مذکورہ بالا تین موقعوں کے علاوہ بھی یہ وضع ثیاب کر سکتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ زینت کا ''تبرج'' نہ ہو۔

(۲) ''تبرج'' کا واضح مفہوم تفسیروں سے ظاہر نہیں ہوتا۔ ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ تبرج کے معنی ہیں قابل ستر اعضاء کو عریاں کر دینا۔ اوپر آپ معلوم کر چکے ہیں کہ چہرہ، کفین اور قدمین گھر کے اندر چند مخصوص لوگوں کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے۔ ان کے علاوہ سارا جسم ہی قابل اخفا ہے۔ پس مایوس از نکاح عورتوں کیلئے کپڑے الگ کر دینے کی اجازت تو ہو لیکن اس طرح نہ ہو کہ بانہیں، گریبان، پشت، سینہ یا رانیں وغیرہ عریاں ہو جائیں۔ اس حکم میں اس طرح کے باریک لباس بھی آ جاتے ہیں جن سے جسم با قاعدہ جھانک رہے ہوں۔

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابدائے زینت اور تبرج بالزینت میں فرق ہے۔ اگر لباس (یا زیور) کے ساتھ جسم کے نشیب و فراز کی نمائش ہو تو وہ ابدائے زینت ہے اور اگر عریانی یا مشابہ عریانی ہو تو وہ تبرج ہے۔ (تبرج کا کچھ ذکر آگے بھی آئے گا)۔

(۳) مایوس از نکاح عورتوں کیلئے بھی عام حالات میں جو گھر کے اندر وضع ثیاب کی اجازت ہے تو اِس کے ساتھ ایک اور ارشاد بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ اِس رُخصت کے باوجود بھی دوسری عورتوں کی طرح احتیاط برتیں تو بہر حال یہ اُن کیلئے بہتر ہی ہے۔ یہ بہتری اس لئے ہے کہ

عزیمت پر عمل کرنا رخصت پر عمل کرنے سے بہر حال بہتر ہے۔ کیونکہ بعض حالات میں عزیمت اور رخصت کے درمیان اتنا باریک فرق ہوتا ہے کہ صحیح موقف کا فیصلہ دشوار ہو جاتا ہے۔ دوسری بہتری یہ ہے کہ ایسی عورتوں کا طرزِ عمل دوسری عورتوں کیلئے ایک نمونہ ہوگا اور اس سے تربیت میں مدد ملے گی۔

(۴) اِس حکم سے زندگی کا ایک بڑا اصول مستنبط ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ شریعت کا ہر حکم ہر موقع کیلئے یکساں درجہ نہیں رکھتا۔ اندرونِ خانہ پردے کا جو کچھ بھی حکم ہے وہ ہر عورت کیلئے نہیں اور نہ ہر حالت کیلئے۔ کسی وقت بعض تکالیف شرعیہ ساقط بھی ہو جاتی ہیں۔ یعنی ان کی پابندی ضروری نہیں ہوتی۔ لیکن بندہ صالح ضروری نہ ہونے کے باوجود عزیمت پر عمل کرتا ہے۔ یہ تغیر و تبدل صرف علت حکم بدل جانے کی وجہ ہوتا ہے۔ جس مقصد کیلئے کسی حکم پر عمل کیا جاتا ہے اِس سے اعلیٰ تر کسی اور مقصد کیلئے وہ عمل ترک بھی کر دیا جاتا ہے جب تک آپ کعبے سے باہر ہیں آپ کو قبلہ رو ہو کر نماز ادا کرنی پڑے گی لیکن کعبے کے اندر داخل ہونے کے بعد رو بہ قبلہ ہونے کی شرط اور سمتِ قبلہ کی تعیین ختم ہو جاتی ہے۔

چہ غم ار غواص راپا چپلہ نیست
اندرونِ کعبہ رسم قبلہ نیست
تالب بجر ایں نشان و نقش پاست
چوں بہ بجر آئی پا کجاست

(رومیؒ)

ایک قابل التفات عورت کیلئے حدود پردہ کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ نا قابل التفات ہو جاتی ہے تو پردے کے وہ قوانین اِس کیلئے ساقط العمل ہو جاتے ہیں کیونکہ جو علت حکم پہلے موجود تھی وہ اب نہیں رہی۔ یہ علت حکم جہاں، جس حد تک اور جس وجہ سے بھی بدلے گی وہیں اُسی حد تک اور اِسی وجہ سے حکم ساقط ہو جائے گا اور جہاں جس حد تک جس سبب سے پیدا ہوگی، وہیں اُسی حد تک اور اسی سبب سے حکم عائد ہو جائے گا۔

چوتھا حکم

یہ حکم اگرچہ عام نہیں اور اس کی مخاطب صرف ازواج مطہرات ہیں تاہم یہ آئیڈیل ضرور ہے

اُمت کی ماؤں کو یہ حکم اِس لئے ہے کہ اُمت کی بیٹیاں بھی اس کی طرف بڑھیں۔ ارشاد ہے:۔

ینساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولاً معروفاً وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولیٰ۔۔۔(۳۳:۳۳)

''اے نبی کی بیویو تم کسی عام عورت کی طرح نہیں ہو بشرطیکہ تقویٰ اختیار کرو کہ کوئی خراب نیت والا للچانے لگے۔ بلکہ مناسب انداز گفتگو رکھو۔ اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور پچھلے جاہلی انداز کا تبرج نہ اختیار کرو''۔

اِس کے علاوہ ایک دوسرا حکم یہ بھی ہے:۔

واذا سالتموھن متا عا فاسئلوھن من ورا حجاب۔ ذلکم اطھر لقلوبکم و قلوبھن۔۔۔(۳۳:۵۳)

''جب تم ان (ازواجِ مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ تمہارے اور اُن کے دونوں کے دلوں کیلئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے''۔

ان دونوں آیات کے بعض ضروری نکات یہ ہیں:۔

(۱) ازواجِ مطہرات اگر اہلِ تقویٰ ہوں (اور یقیناً وہ ایسی ہی تھیں) تو ان کی سطح اُمت کی تمام عورتوں سے اِسی طرح بلند تر ہے جس طرح ماں اپنی بیٹیوں سے بلند تر ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کیلئے احکام بھی کچھ زیادہ سخت ہیں، کیونکہ انہیں آئیڈیل بننا ہے۔

اِن کیلئے آواز کا بھی پردہ ہے۔ مگر صرف اِسی آواز کا جس میں فتنہ انگیز سوچ ہو۔ مطلقاً آواز کا پردہ نہ ان کیلئے ہے نہ اُمت کی بیٹیوں کیلئے۔ لیکن جس انداز گفتگو سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو وہ دونوں کیلئے ممنوع ہونا چاہیے۔

(۲) انہیں گھر میں بیٹھنے کا حکم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ازواجِ مطہرات کبھی کسی کام کیلئے بھی باہر نہ نکلیں۔ ضرورت کے وقت اپنے اقرباء کے پاس جا سکتی ہیں۔ وعظ و نصیحت کیلئے یا کسی اور گتھی کو سلجھانے کیلئے بھی نکل سکتی ہیں۔ گھر گر جانے کا یا کوئی خطرہ پیدا ہو تو باہر جا سکتی ہیں۔ اِس کی کوئی ممانعت نہیں۔

(۴) گھروں میں بیٹھنے کیلئے یہ انداز اختیار کرنا ضروری ہے کہ وہ باوقار ماؤں کی طرح رہیں (بعض لوگوں نے قرن کو وقار ہی سے لیا ہے) اور گھر کے اندر بھی اور باہر بھی "تبرج" نہ ہو۔

(۵) اوپر آپ دیکھ چکے ہیں کہ گھر کے اندر بوڑھی یا نا قابل التفات عورتوں کو بعض کپڑے اُتار دینے کی اجازت کے ساتھ یہ شرط ہے **غیر متبرجت بزینة** اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ اِس کی وضاحت میں ہم نے اوپر لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مقاماتِ زینت (یعنی کسی قابل اخفاء حصہء جسم کو عریاں نہ ہونے دیں۔ یہاں ازواجِ مطہرات کو گھر کے اندر رہنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ تمہیں گھر کے اندر بھی اس انداز سے رہنا چاہیے کہ جاہلیت کے دور کی طرح کا تبرج نہ ہو۔ یہاں "تبرج بالزینۃ" کا لفظ نہیں۔ صرف "تبرج" ہے اور وہ بھی "تبرج جاہلیت اولیٰ"۔ اہل تفسیر نے اسلام سے قبل کے دور کو جاہلیت اولیٰ قرار دیا ہے اور بعد از اسلام کے غیر اسلامی طریقوں کو جاہلیت ثانیہ بتایا ہے۔ یہاں تبرج سے مراد ہمارے نزدیک صرف بناؤ سنگھار ہے جو ایک شوہر والی عورت اپنے شوہر کیلئے عام طور پر کرتی ہے۔ یہ ساری عورتوں کیلئے جائز ہے لیکن رسول کی ازواج کو اس سے روک دیا گیا ہے۔ حضورؐ نے اپنی بیٹیوں کیلئے یہ باتیں پسند نہیں فرمائیں۔ جناب فاطمہؓ کے پاس سونے کی زنجیر دیکھی تو فرمایا: کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ لوگ یہ طعنہ دیں کہ نبی کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے"؟۔

دیکھیے سونے کا ایسا زیور پہننا عام عورتوں کیلئے روا ہے لیکن نبی کے گھر والوں کیلئے یہ درست نہیں بلکہ یہ گویا آگ کی زنجیر ہے۔ جب دختر کیلئے یہ انداز ہے تو اُمت کی ماؤں کیلئے کب زیبا ہو سکتا ہے کہ وہ عام عورتوں کی طرح بناؤ سنگھار کیا کریں؟ بلکہ ازواجِ مطہرات کیلئے تو ـــــ جن کو **لستن کاحد من النساء** (تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو) کہا گیا ـــ کچھ مزید پابندیاں بھی ہیں۔ عام عورتیں اگر بیوہ ہو جائیں تو صرف دورانِ عدت میں بناؤ سنگھار ممنوع۔ مگر ازواجِ مطہرات کیلئے تو عدت کے بعد بھی یہ روا نہیں کیونکہ اِن کا کوئی عقد ثانی نہیں ہو سکتا تھا۔ نیز ان ماؤں کو تو اُمت کیلئے تربیت کنندہ بنایا گیا ہے لہٰذا بناؤ سنگھار میں وقت ضائع کرنے کی بجائے یہ پروگرام دیا گیا ہے کہ: (**واقمن الصلوٰة واٰتین الزکوٰة واطعن الله و رسوله**

انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا۔ واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من اٰیٰت الله والحکمة۔۔۔

(تم صلوٰۃ قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ و رسول کی اطاعت کرو۔ اے نبی کے گھر والو خدا چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور کر دے اور پوری طرح پاک صاف کر دے۔ اور تم اپنے گھروں میں تلاوت کی جانے والی آیاتِ الٰہی اور حکمت دین کے ذکر سے رطب اللسان رہو!")

اِن بڑی ذمہ داریوں کی سپردگی کے بعد لازماً تبرج (بناؤ سنگھار) سے رُک جانا چاہیے۔ ان کو نبی کی زندگی میں اور نبی کے بعد بھی ماؤں کی طرح رہنا چاہیے۔ ان کی زندگی کو قناعت، سادگی، وقار، تعلیم دین اور دختران امت کی تربیت کیلئے نمونہ عمل ہونا چاہیے نہ کہ تبرج کا شوقین۔

تفسیروں سے جاہلیت اولیٰ کے تبرج کا صاف پتہ نہیں چلتا۔ سیدھی بات جو سمجھ میں آتی ہے یہ ہے کہ ہمیشہ ہی یہ بات فرض کر لی گئی ہے کہ جو آدمی جتنا بڑا سردار ہو اُسی قدر شان و شوکت سے اُس کی بیوی کو بھی رہنا چاہیے۔ یہ مرض جاہلیت اولیٰ میں بھی تھا اور جاہلیت ثانیہ میں بھی آج تک ہے۔ یعنی سردار کی بیوی کا لباس سب سے قیمتی، بھڑکیلا اور نئے سے نئے فیشن کا ہو۔ قیمتی زیوروں سے لدی ہو۔ آگے پیچھے خدام اور خادمائیں ہوں، شاندار سواریاں ہوں۔ گھر اور گھر کا اثاثہ بھی قیمتی اور نرالا ہو۔ وغیرہ وغیرہ اِس کو آغازِ رکوع میں زینت کہا گیا ہے اور یہی جذبہ جاہلیت اولیٰ ہے۔ اِس کے متعلق شروع رکوع ہی میں ازواجِ رسول کو یوں خبردار کر دیا گیا ہے کہ:۔

"اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ تم ادنیٰ زندگی اور اس کی زینت کی خواہشمند ہو تو آؤ میں تمھیں یہ سب کچھ دے کہ شائستگی سے الگ کر دوں۔ اور اگر تم اللہ، رسول اور دارِ آخرت کو پسند کرتی ہو تو تم میں سے محسنات کیلئے خدا نے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے"۔

جن ازواجِ مطہرات کیلئے بدی کی دوگنی سزا اور نیکی کے عوض دوگنا اجر رکھا ہو (جسکا اِسی رکوع میں ذکر ہے) اِس کیلئے یہ کب روا ہو سکتا ہے کہ اقامت صلوٰۃ ایتائے زکوٰۃ، طاعتِ خدا اور رسول، ذکر آیات و حکمت کے احکام سے تغافل کر کے اپنا وقت تبرج یعنی بناؤ سنگھار اور اظہارِ شان و شوکت میں ضائع کر کے گھٹیا نمونہ عمل پیش کریں اور وہ بھی جاہلیت اولیٰ کے اِس تصور کے

مطابق کہ ہم چونکہ سب سے بڑے انسان کی بیویاں ہیں لہٰذا ہمیں سب عورتوں سے زیادہ شان سے رہنا چاہیے۔یہی تصور دراصل جاہلیت اولیٰ کا تصور ہے اور اسی کو ختم کر کے انہیں اسلامی قدریں عطا کی گئی ہیں۔یعنی ازواج النبی کیلئے زینت الحیوۃ الدنیا نہیں بلکہ روحانی آراستگی اور اخلاقی زیبائش ہے۔یہی وہ مضمون ہے جسے **ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ** کی ممانعت میں بیان کیا گیا ہے۔اور اس کا تعلق گھر کے اندر کی زندگی سے ہے اور کسی قدر باہر سے بھی۔

(۶) دوسری آیت میں یہ حکم ہے کہ جب تم ان ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔مطلب یہ ہے کہ مواجہہ نہ ہو۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کا چہرہ بھی ڈھکا نہ رہتا تھا اور گھر کے اندر اُن کیلئے بھی ابدائے زینت کے وہی احکام ہیں جو دوسری عورتوں کیلئے ہیں اور جن کا ذکر "پہلے حکم" میں ہے۔یعنی فلاں فلاں کے سامنے گھر کے اندر عورتوں کا چہرہ، کفین اور قدمین کو کھلا رکھنا بالکل جائز ہے۔**غض بصر** کو **ذٰلک ازکیٰ لھم** کہا گیا ہے اور یہاں پس پردہ کچھ چیز مانگنے کو **ذٰلک اطھر لقلوبکم و قلوبھن** فرمایا گیا ہے۔یعنی اِس طرزِ عمل سے عام مردوں اور ازواج مطہرات دونوں کے دلوں میں پاکیزگی قائم رہے گی۔

یہ حکم دیا گیا ہے صرف ازواجِ مطہرات کو لیکن یہ دوسری عورتوں کیلئے بھی آئیڈیل اور قابل تقلید مثالی نمونہ ہے۔جس طرح اوپر آواز میں لوچ پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے ازواجِ مطہرات کو لیکن دوسری عورتوں کیلئے لائق اقتداء آئیڈیل اور اُسوہ حسنہ ہے۔

پانچواں حکم

یاایھا النبی قل لازواجک وبنتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ۔ ذٰلک ادنی ان یعرفن فلا یوذین (۳۳۔۵۹)

"اے نبی اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہل ایمان کی بیویوں سے کہہ دو کہ وہ گھونگٹ نکال لیا کریں یہ ان کے پہچان لیے جانے اور نہ چھیڑے جانے کے لئے زیادہ قریب کا راستہ ہے"۔

اِس حکم کے خاص نکات یہ ہیں:۔

(۱) اِدنائے جلباب کے معنی ہیں گھونگھٹ ڈالنا، یہ معروف طریقہ ہے۔ اِس سے عورت کی آنکھیں اور چہرے کا کچھ حصہ ڈھک جاتا ہے لیکن چلنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

(۲) اس حکم میں ازواجِ رسول، بناتِ رسول اور عام عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ سب کیلئے ایک ہی حکم ہے۔

(۳) اِس کی مصلحت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی اور وہ ایذا (چھیڑ خانی) سے محفوظ رہیں گی۔

(۴) یہ مصلحت ہی خود بتا رہی ہے کہ اِس حکم کا تعلق گھر سے باہر نکلنے سے ہے اوپر جتنے احکام بیان ہوئے ہیں اِن کا تعلق اندرونِ خانہ سے تھا۔ اور ان میں جابجا ازواج النبی اور دوسری عورتوں میں فرق رکھا گیا ہے۔ لیکن یہاں ساری عورتوں کے لئے ایک ہی حکم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گھر اندر جب عورتیں رہیں تو فلاں فلاں کے سامنے اپنے چہرے، کفین اور قدمین کو کھلا رکھ سکتی ہیں۔ اور جب باہر جائیں تو گھونگھٹ نکال لیں۔ گھر کے اندر آنے جانے والے تو پہچانتے ہی ہیں اِس لئے گھر کے اندر پہچانے جانے کیلئے گھونگھٹ نکالنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، بلکہ گھونگھٹ تو پہچانے جانے میں اور رکاوٹ ہے۔ یہاں پہچانے جانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ باہر کے لوگ دیکھ کر جان لیں کہ یہ مسلمان شریف زادیاں ہیں۔ اِس طرح ان کو چھیڑا نہ جائے گا۔

(۵) اِس حکم کے مواقع گھر کے اندر بھی پیش آسکتے ہیں۔ وہ یوں کہ جن لوگوں کا ذکر حکم اول میں ہے ان کے علاوہ کسی اور کو کسی ضرورت سے آنا پڑے تو عورت کو گھر کے اندر بھی گھونگھٹ نکال لینا چاہیے۔ کیونکہ فتنے یہاں بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن دراصل اِس حکم کا تعلق اندرونِ خانہ سے نہیں بلکہ بیرونِ خانہ سے ہے۔ ہزار ضرورتیں ایسی پیش آسکتی ہیں جن کیلئے عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا پڑے۔ خرید و فروخت کیلئے، تعزیت و عیادت کیلئے، تفریح اور ہوا خوری کیلئے، تعلیم و تعلم کیلئے، کھیتی باڑی کیلئے، تبلیغ کیلئے، جنگی خدمات کیلئے، سب کیلئے عورتوں کو باہر نکلنا پڑتا ہے۔ عہدِ نبوی

سے پہلے، عہدِ نبوی کے دوران اور عہدِ نبوی کے بعد بھی یہ ضرورتیں پیش آتی رہیں اور آتی رہیں گی اور عورتیں ان تمام ضرورتوں کیلئے ہمیشہ باہر نکلتی رہیں اور نکلتی رہیں گی۔ ایسے ہی مواقع کیلئے یہ حکم ہے کہ گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔

(۶) گھونگھٹ ڈالنے کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے وہ پہچان لی جائیں گی اور انہیں چھیڑا نہ جائے گا۔ جس وقت یہ احکام نازل ہوئے اس وقت عرب کی کسی قوم کی عورتیں اس طرح کے حجاب سے واقف نہ تھیں۔ مسلمان عورتیں بھی عام طور پر دوسری عورتوں کی طرح بے حجاب (گھونگھٹ نکالے بغیر ہی) باہر آتی جاتی تھیں۔ ان میں بعض اپنی فطری شرم وحیاء کی وجہ سے چہرہ ڈھانپ بھی لیتی تھیں۔ مسلمان سوسائٹی کے کسی فرد سے تو یہ بھی توقع نہ ہوسکتی تھی کہ سرِ راہ کسی غیر قوم کی عورت کو چھیڑنے کی ہمت کرے۔ لیکن یہود ایسی حرکتیں کرنے کے عادی تھے۔ چنانچہ غزوہ بنی قینقاع کی بنیاد ہی یہی چھیڑ خانی تھی۔ انہوں نے سرِ بازار ایک عورت کو چھیڑا۔ حالانکہ اس کا چہرہ کھلا نہ تھا۔ اس سے ایک مسلمان مشتعل ہوا اور چھیڑنے والے کو قتل کر دیا۔ اور اسطرح صورت پیدا ہو گئی (رواہ ابن ہشام)۔ یہ شوال ۲ھ کا واقعہ ہے اور آیت حجاب اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔

بالکل ظاہر ہے کہ یہ اِدنائے جلباب (گھونگھٹ ڈالنے) کا حکم صرف ایک قومی ضرورت کیلئے تھا تاکہ مسلمان عورت دوسری قوم کی عورتوں سے ممتاز ہو جائے اور بدنیت غیر مسلم یہ سمجھ لے کہ اِس مسلمان عورت کو چھیڑنا پوری مسلمان قوم کیلئے جنگ کا چیلنج ہے۔ پس اگر اِدنائے جلباب کی بجائے کوئی اور علامت کسی دوسرے ملک یا دوسرے دور میں متعین کر لی جائے تو وہ اِدنائے جلباب وغیرہ کی قدریں ختم ہو جاتی ہیں۔ اسلام اِن احکام سے پوری سوسائٹی میں ایک پرامن اور پرہیزگارانہ ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے کہ بمصداقِ حدیثِ نبوی ایک عورت قادسیہ سے بارادہ حج تنہا روانہ ہو اور اُسے راستے میں کوئی لوٹنے یا چھیڑنے والا نہ ملے۔ ہر چوہدری محافظ، ہر ڈاکو نگہبان اور بدنیت متقی ہو جائے۔ جہاں یہ پاکیزہ ماحول نہیں قائم ہوتا وہاں ان احکام کے ساتھ محافظت کے اور احکام بھی ایجاد کر لینا روا ہے اور جہاں یہ خطرات دور ہو جائیں وہاں ان احکام کی گرفت فقہی اصول سے بھی ڈھیلی ہو جائے گی۔ (جاری ہے)

فضیلتِ ماہ رمضان

(مسز مسرت ارشد)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یَاایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلم تتقون۔(البقرہ۔۱۸۳)

''اے اہل ایمان! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں۔جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے شائد کہ تم پرہیز گار بن جاؤ''۔

حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تم خداوند تعالیٰ کا یہ کلام سنو اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم اِس وقت اپنے کانوں کو اس طرف لگا دو کیونکہ اِس کے بعد کوئی نہ کوئی حکم صادر کرتا ہے اور اس میں یا تو کسی کام کے کرنے کا حکم ہوتا ہے اور یا کسی چیز کی ممانعت ہوتی ہے۔

کتب علیکم الصیام !تو اس میں کتب یعنی لکھا گیا سے مُراد ہے کہ رمضان کے روزے تمہارے اوپر فرض کئے گئے ہیں اور صیام مصدر ہے جیسے کہ عرب کا یہ محاورہ ہے کہ **صمت صیاما** اور **تمت قیام** اصل لغت میں لفظ صیام کے معنی بند رہنے کے ہیں جیسے کہ بولتے ہیں صامت الریح اور یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ ہوا چلنے سے ٹھہر جائے اور جب کوئی آدمی کلام کرنے سے بند ہو جاتا ہے تو اس وقت کہتے ہیں۔صام۔پس شرعاً صوم کے معنی ہیں رُک جانا، گناہوں کا ترک کرنا، اِس سے مراد اللہ کے حکم کے تحت اپنے آپکو ایک مقررہ وقت تک کیلئے کھانے پینے اور کچھ دیگر جائز امور سے روکے رکھنا ہے۔

کما کتب علی الذین من قبلکم ٥

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو تم سے پہلے تھے اُن پر لکھا گیا ہے پہلے نبیوں اور اُنکی اُمتوں پر فرض کیا گیا ویسا ہی تجھ پر اور آدم اِن میں سے پہلا ہے۔

عبدالملک بن ہارون بن عنترہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں ایک دن دوپہر کے وقت پیغمبرﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اِس وقت آپ حجرہ میں تھے میں نے آپ کو سلام کیا اور آپؐ نے سلام کا جواب دیا۔اور پھر فرمایا اے علیؓ جرائیلؑ تم کو سلام کہتے ہیں۔میں نے عرض کی کہ آپؐ پر اور ان پر بھی

میرا اسلام ہو یہ سنکر رسول اللہ نے فرمایا کہ تم میرے نزدیک آ جاؤ۔ میں آپؐ کے نزدیک ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام اِس وقت میرے پاس موجود ہیں اور وہ تمھیں یہ کہتے ہیں کہ اگر تم ہر ایک مہینے میں تین روز روزے رکھا کرو تو پہلے روزہ کے عوض میں دس ہزار سال کے روزوں کا ثواب عطا ہوگا اور دوسرے روزے کے بدلے میں تیس ہزار سال کا ثواب اور تیسرے میں ایک لاکھ روزے کا ثواب دیا جائے گا۔ میں نے عرض کی کہ اے رسول اللہ یہ ثواب میرے ہی واسطے مخصوص ہے یا سب لوگوں کیلئے آپؐ نے فرمایا کہ اے علیؓ خدا تعالیٰ نے یہ ثواب تم کو عطا کیا ہے اور اس کو بھی جو تمہارے بعد یہ کام کریگا۔ میں نے عرض کی اے رسول اللہ وہ کونسے دن ہیں فرمایا ایام بیض یعنی ہر ایک مہینے کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ۔ عنترہ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ انکو ایام بیض کیوں کہتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو بہشت سے نکال کر دنیا میں پھینک دیا تو آفتاب کی حرارت سے آپ کا جسم جل گیا اور رنگ سیاہ ہو گیا۔ پس حضرت جبرائیلؑ ان کے پاس آئے اور کہا کہ اے آدمؑ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تیرا بدن سفید ہو جائے آپ نے فرمایا کہ ہاں میں چاہتا ہوں، جبرائیل نے کہا کہ تو ہر ایک مہینے کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخوں کا روزہ رکھا کرو۔ پس حضرت آدمؑ نے جب پہلی تاریخ کا روزہ رکھا تو اِس سے بدن کے دو حصے سفید ہو گئے اور جب تیسرے دن کا روزہ رکھا تو پھر ان کا سارا بدن سفید ہو گیا اِسی واسطے ان دنوں کو ایام بیض کہتے ہیں۔

پس محمدؐ سے پہلے جن لوگوں پر روزے فرض ہوئے ہیں ان میں سے ایک حضرت آدمؑ بھی ہیں۔ حسن بصری اور مفسرین کی ایک جماعت اللہ تعالیٰ کے اِس قول میں (الذین من قبلکم) کہتے ہیں کہ اِن پہلوں سے مراد قوم نصاریٰ مراد ہے کیونکہ ہمارا روزہ وقت اور قدر میں نصاریٰ کے روزہ کے مشابہ ہے۔ نصاریٰ پر بھی ماہ رمضان کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے اور ان کو اِن کا رکھنا سخت مشکل معلوم ہوا کیونکہ رمضان کبھی سردیوں میں واقع ہوتا ہے اور کبھی گرمیوں میں۔ اِس قوم کے عالموں اور سرداروں نے اِس بات پر اتفاق کیا کہ ہم ایسے مہینے میں اپنے روزے مقرر کریں کہ اس کا زمانہ معتدل ہو یعنی گرمی اور سردی کے مابین اس لئے انہوں نے ربیع کے موسم میں اپنے روزے مقرر کر لئے اور دس روزے ان پر اور بڑھا دیئے تا کہ وہ اِس تغیر کا کفارہ ہوں۔ اِس لئے ان کے واسطے چالیس روزے مقرر کئے گئے اور پھر بعد میں اور بھی ان

میں زیادتی ہوئی ایک دفعہ انکے ایک بادشاہ کے منہ میں درد ہوا۔اس وقت اِس نے نذر مانی کہ اگر میں اس درد سے اچھا ہو جاؤں تو اپنے روزوں میں ایک ہفتہ اور بڑھا دونگا۔اللہ نے اِس کو صحت دی صحت پانے کے بعد،اِس نے ایک ہفتے کے روزے اور بڑھا دیئے اور جب بادشاہ فوت ہو گیا تو جو بادشاہ کا قائم مقام ہوا اِس نے حکم دیا کہ روزوں کو پچاس تک بڑھا دو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ تم سے پہلے تھے ان پر روزے لکھے گئے تا کہ تم ڈرو اور مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خدا کے رسول اور تمام مسلمانوں پر عاشورہ کے دن کا روزہ رکھنا اور ہر ایک مہینے میں تین دن روزے رکھنے فرض کیا اور جب اللہ کا رسولؐ مدینے میں تشریف لائے تو اِس وقت بھی سب پہلے کی طرح روزے رکھا کرتے تھے اور رمضان کے روزے جنگِ بدر سے ایک مہینہ اور کچھ دن پہلے نازل ہوئے۔

ماہِ رمضان کی وجہ تسمیہ

رمضان کے مہینے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔اِس لئے اسے ماہِ رمضان کہا گیا۔عبداللہؓ اور جعفر صادقؓ اپنے آباؤ اجداد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول مقبولؐ نے فرمایا کہ ماہِ رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔

انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا کہ رمضان کو صرف رمضان نہ کہو بلکہ جیسے اللہ تعالیٰ نے نسبت کی ہے کہو،شہرِ رمضان۔

اصمعی روایت کرتے ہیں کہ اِس مہینے کا نام اِس واسطے رکھا گیا کہ اِس میں گرمی کے باعث اونٹ کے بچے کے پاؤں گرم ہو جاتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اِس مہینے میں آفتاب کی حرارت سے پتھر گرم ہو جاتے ہیں اور رمضان گرم پتھر کو کہتے ہیں اور فرمایا کہ اِس مہینے کا نام رمضان اِس لئے رکھا گیا کہ اِس میں گناہ سوختہ ہو جاتے ہیں اور پیغمبرﷺ نے بھی یہی روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اِس مہینے میں آخرت کی فکر اور نصیحت کی حرارت سے دل متاثر ہو جاتے ہیں۔جیسے کہ آفتاب کی حرارت سے ریگستان اور پتھر جل اُٹھتے ہیں اور خلیلؓ کہتے ہیں کہ رمضان رمض سے مشتق ہے اور رمض ایک بارش کو کہتے ہیں جو خریف موسم میں برستی ہے اور ماہ رمضان بھی لوگوں کے دلوں اور جسموں کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔اِس لئے اِس مہینے کا نام رمضان رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

شهر رمضان الذی انزل فیه القران فمن شهد منکم الشهر فلیصمه ومن کان منکم مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر۔(البقرہ۱۸۵)

ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اُتارا گیا۔ جو لوگوں کیلئے ہدایت ہے جو ہدایت کی نشانیوں اور حق و باطل میں تمیز پر مشتمل ہے تم میں سے جو کوئی اِس ماہ مبارک کو پائے اِسے چاہیے کہ وہ اس کے روزے رکھے اور جو کوئی تم میں سے مریض یا مسافر ہو تو وہ بعد کے دنوں میں شمار کرے۔

عطیہ بن اسودؓ روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے اِس کے معنی پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ اِس کے معنوں میں شک ہے کیونکہ سب مہینوں میں قرآن شریف نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے بھیجا تا کہ لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اس کو پڑھے اور فرمایا (اور کافروں نے کہا کہ قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اُتارا گیا) اِس کا جواب یہ ہے کہ رمضان کی شب قدر میں لوح محفوظ سے ایک ہی دفعہ قرآن اُتارا گیا اور دنیا کے آسمان میں جو بیت العزت ہے اِس جگہ اس کو رکھا گیا اور جبرائیل علیہ السلام تھوڑا تھوڑا لیکر 23 تئیس سال میں رسول مقبولؐ کے پاس اُترے۔

شہاب طارقؓ ابی ذر غفار سے روایت کرتے ہیں کہ خدا کے رسول مقبولؐ نے فرمایا کہ ماہ رمضان کی تین راتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحیفے نازل ہوئے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور رمضان کی چھ راتوں میں توریت کا ورد ہوا اور حضرت داؤدؑ پر رمضان کی اٹھارہ راتوں میں زبور اُتری ہے اور ماہ رمضان کی تیرہ راتوں میں حضرت عیسیٰؑ پر انجیل نازل ہوئی ہے اور حضرت محمد ﷺ ماہ رمضان کی چوبیس راتوں میں پورا فرقانِ مجید نازل ہوا ہے۔

رمضان کے لفظ میں پانچ حروف ہیں اور ہر ایک حروف میں ایک طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ر۔ میں تو اپنے پروردگار کی رضامندی کی طرف اشارہ ہے۔

م۔ میں خدا کی محبت کی طرف ایما ہے۔

ض۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ضامن ہے۔

الف۔ خدا کی اُلفت مقصود ہے۔

ن۔ خدا کا نور مُراد ہے۔

پس یہ رمضان کا مہینہ اِس قدر چیزوں کا جامع ہے خدا کی رضا، خدا کی محبت، خدا کی ضمانت

اور اس کی الفت اور خدا کا نور، خدا کا جو نور ہے یہ بہت بڑی بزرگی اور بخشش ہے۔

رمضان کے مہینے کی دوسرے مہینوں سے تشبیہ ایسی ہی ہے جیسی کہ دل کی سینہ میں ہے اور نبی کی آدمیوں سے اور حرم کی دوسرے شہروں سے، حرم میں دجال نہیں جائے گا اور رمضان کے مہینے میں سرکش شیطان جکڑے جاتے ہیں اور نبیؐ گنہگاروں کے شفیع ہونگے اور ماہ رمضان روزہ داروں کا شفیع ہوگا اور مومنوں کے دل اس مہینے میں معرفت اور ایمان کے نور سے آراستہ ہوتے ہیں۔ تمام مہینوں کا سردار رمضان کا مہینہ ہے۔

نبی کریمﷺ کا فرمان ہے۔

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا اللّٰه وان محمدارسول اللّٰه و اقام الصلوٰة وايتاء الزكاة و حج البيت و صوم رمضان۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اِس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا۔

رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہر نیکی کا بدلہ دس سے سات گنا تک عطا فرماتا ہوں مگر روزہ خالص میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں خود دیتا ہوں۔

انما يوفي الصابرون اجرهم بغير حساب (الزمر۔10)

آنحضورﷺ نے فرمایا کہ صبر آدھا ایمان اور روزہ آدھا صبر ہے۔

روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے کھانا پینا اور جماع میرے واسطے ترک کر دیا میں ہی اس کی جزا دے سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ روزہ دار کا سونا عبادت ہے اور سانس لینا تسبیح اور دعا قبولیت و اجابت کا باعث ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں اور ایک آواز دینے والا دیتا ہے کہ خیر کے چاہنے والے جلدی کر کیونکہ یہی وقت ہے اور شر کے چاہنے والے

اب تو رُک جا۔

روزے کی بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور فرمایا۔

الصوم لی وانا اجزی بہo

اگرچہ تمام عبادتیں اسی معبود برحق کیلئے ہیں لیکن یہ تخصیص ایسی ہے جیسے تمام مساجد کے مقابلے میں کعبہ کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی۔

روزہ کی دو خاصیتیں ہیں جن کی وجہ سے یہ عمل جناب صمدیت کی طرف منسوب ہونے کے لائق ہوا ایک تو یہ کہ اس کی حقیقت شہوات کا ترک ہے اور یہ باطنی معاملہ ہے لوگوں کی نظر سے پوشیدہ اور ریا سے خالی ہے۔

دوسری خاصیت یہ کہ شیطان اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور شہوات حقیقت میں ابلیس کا لشکر ہے اور روزہ اس کے لشکر کو شکست دیتا ہے اس لئے کہ روزہ کی حقیقت ہی شہوات کا ترک ہے۔

رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان انسان کی رگوں میں اس طرح دوڑتا ہے جیسے اس کے بدن میں خون اس کی راہ بھوک سے تنگ کرو۔

آپؐ نے فرمایا۔

الصوم جنۃ (روزہ ڈھال ہے)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جنت کا دروازہ کھٹکایا کرو، لوگوں نے پوچھا کس چیز سے؟ فرمایا بھوک سے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روزہ عبادت کا دروازہ ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے۔

جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریان کہتے ہیں اس میں قیامت کے دن روزہ دار داخل ہونگے ان کے علاوہ اس میں کوئی داخل نہ ہوگا۔

حضورؐ نے فرمایا۔

جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

ارشاد باری تعالیٰ:۔

انا انزلنہ فی لیلۃ القدرoوما ادرٰک ما لیلۃ القدر o لیلۃ القدر۔

خیر من الف شهره تنزل الملئكة والروح فيها باذن ربهم من كل امر سلم هى حتى مطلع الفجره (القدر)

بے شک ہم نے اِس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کرنا شروع کیا اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے اِس میں روح الامین اور فرشتے ہر کام کے اِنتظام کیلئے اپنے پروردگار کے حکم سے اُترتے ہیں یہ رات طلوع صبح تک امان اور سلامتی ہے۔

ابن عباس نے فرمایا ہے کہ **انا انزلنا فی لیلة القدر** سے مراد حضرت جبرائیلؑ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِس سورة کو اور باقی تمام قرآن پاک کو ہم نے جبرائیلؑ کی معرفت شب قدر میں فرشتوں کے پاس بھیجا اور پھر ان کے ہاں سے تھوڑا تھوڑا ہو کر حضرت محمدؐ پر نازل ہوا ہے اور وقتاً فوقتاً تئیس برس تک تمام مہینوں میں دن رات نازل ہوتا رہا ہے۔ تنزل الملائكة والروح اِس سے مراد یہ ہے کہ آفتاب کے غروب ہونے سے فجر کے طلوع ہونے تک فرشتے اور جبرائیلؑ نازل ہوتے رہتے ہیں۔

ضحاک ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ روح ایک بزرگ فرشتہ ہے جو انسان کی صورت میں ہے اور عظیم الخلقت ہے اللہ تعالیٰ اِس کی شان میں فرماتا ہے کہ تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ روح ایک فرشتہ ہے جو قیامت کے روز فرشتوں کی صف کے مقابلہ میں اکیلا کھڑا ہوگا یعنی سب کے برابر ایک ہی ہوگا بعض یہ کہتے ہیں کہ اِس فرشتے کا منہ تو انسان کی صورت پر ہے اور اِس کا جسم فرشتوں کے جسم کی مانند ہے اور وہ تمام مخلوقات سے بہت بڑا ہے اور فرشتوں کی صف میں عرش کے نزدیک کھڑا ہوتا ہے۔ شب قدر سلامتی کی رات ہے۔

ماہ رمضان کے آخری عشرے میں اِسکی تلاش کرنی چاہیے اور خاص کر ستائیسویں رات میں۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ماہ رمضان کی آخری دس راتیں برابر ہیں کسی ایک کو دوسری پر فضیلت نہیں۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ شب قدر رمضان شریف کی اکیسویں رات اور بعض کا قول ہے کہ اکیسویں رات ہے اور عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت بلالؓ آنحضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ شب قدر ماہ رمضان کی 24 چوبیسویں رات ہے۔ ابن عباسؓ اور ابی ابن کعب کہتے ہیں کہ ستائیسویں رات ہے اور اِس پر دلیل بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل اپنی اسناد میں ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں کا یہ دستور تھا کہ ماہ رمضان کے آخری دس دنوں میں حضرت پیغمبرؐ

کی خدمت میں اپنی اپنی خوابوں کا ذکر کیا کرتے تھے ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ تمہیں جو پے در پے یہ خوابیں آتی ہیں یہ ستائیسویں رات میں واقع ہوئی ہیں پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر ستائیسویں رات ہے اور جو اس کو تلاش کرے۔

ابن عباسؓ عمر بن خطابؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے شب قدر کے واسطے طاق عددوں میں غور کی تو مجھے معلوم ہوا کہ سات کا عدد اس کے واسطے سب سے زیادہ لائق ہے۔ اور پھر سات کے عدد پر غور کی تو معلوم ہوا کہ آسمان سات ہیں اور زمینیں بھی سات ہیں اور راتیں بھی سات ہیں اور سات ہی دریا ہیں اور صفا اور مروہ کے درمیان سات ہی دفعہ دوڑتے ہیں اور کعبہ کے اردگرد بھی سات دفعہ ہی طواف کرتے ہیں۔ اور سنگریزے بھی سات ہی پھینکے جاتے ہیں اور آدمی کی پیدائش بھی سات عضووں سے ہی ہوتی ہے۔ اور آدمی کا رزق بھی سات دنے ہی ہیں انسان کے چہرے میں بھی خداوند نے سات سوراخ بنائے ہیں۔ الحمد کی آیتیں سات ہیں قرآن مجید کی قرائتیں سات ہیں اور جب سجدہ کیا جاتا ہے تو وہ بھی سات اعضاؤں سے ہی کرتے ہیں، سات دوزخ کے دروازے ہیں اور دوزخ کے نام بھی سات ہیں اور سات ہی دوزخ کے طبقے ہیں اصحاب کہف کی تعداد بھی سات ہے اور جب عاد کی قوم ہلاک ہوئی تو وہ بھی سات راتوں میں ہی ہوا سے ہلاک ہوئی اور حضرت یوسف جب قید ہوئے تو وہ بھی سات برس تک جیل خانہ میں مقید رہے۔ اور وہ گائیں بھی سات ہی ہیں جن کا ذکر سورہ یوسف میں ہے اور وہ قحط بھی سات سال ہی رہا جس کا ذکر سورہ یوسف میں ہے اور سات سال ہی فراخی اور کشادگی رہی پانچ وقت کی نماز کی سترہ رکعتیں ہیں اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ حج کے بعد سات روزے رکھو اور نسب کے رو سے سات قسم کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اور اگر کوئی کتا مٹی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو دھونے کے واسطے پیغمبر ﷺ نے سات دفعہ ارشاد فرمایا۔ حضرت ایوبؑ بلا میں گرفتار ہوئے تو وہ بھی سات برس تک مصیبت میں مبتلا رہے اور عائشہؓ نے فرمایا کہ جب حضورؐ نے مجھے اپنے نکاح سے سرفرازی بخشی تو اس وقت میں سات برس کی تھی۔

رسول کریمؐ نے فرمایا کہ میری اُمت کے لوگوں میں سے جو شہید ہوتے ہیں وہ بھی سات قسم کے شہید ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سات چیزوں کی قسم کھائی ہے اور وہ یہ ہیں آفتاب، چاشت کا وقت، چاند،

دن، رات، آسمان اور جس نے آسمان اور زمین کو بنایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قد کی لمبائی سات گز تھی اور یہ اُس وقت کے گزوں کے حساب سے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا بھی سات گز لمبا تھا۔

پس اِس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی چیزوں کو خدا نے سات سات بنایا ہے۔ جب یہ شب قدر، ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہے تو اِس بیان سے استدلال ہوتا ہے کہ یہ بھی ستائیسویں تاریخ کو ہوگی اور اس آیت سے بھی "**ھی حتی مطلع الفجر**" لفظ میں ستائیسویں حروف کے بعد واقعہ ہوا ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

جب شب قدر آتی ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیلؑ کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم زمین پر جاؤ اور جو سدرۃ المنتہیٰ کے رہنے والے ہیں ان کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ یہ سات ہزار فرشتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں نور کے جھنڈے ہوتے ہیں اور جب حضرت جبرائیلؑ فرشتوں کے اس لشکر کے ساتھ زمین پر نازل ہوتے ہیں تو اُترتے ہی اپنا نیزہ زمین پر گاڑ دیتے ہیں اور فرشتے بھی اپنے نیزے ان چار مکانوں میں گاڑتے ہیں۔

خانہ کعبہ کے نزدیک، حضرت محمد ﷺ کی قبر کے نزدیک، بیت المقدس کے نزدیک، مسجد طور سینا کے نزدیک اِس کے بعد حضرت جبرائیلؑ سب فرشتوں کو حکم کرتے ہیں کہ تم سب ادھر اُدھر پھیل جاؤ، ہر ایک گھر حجرے، مکان، کشتی اور جہاں کوئی مومن مرد اور مومنہ عورت ہو۔ اور جس گھر میں کتایا سور یا شراب یا کوئی زانی یا زانیہ ہو یا جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتہ داخل نہیں ہوتا اور یہ سب فرشتے خدا کی تسبیح اور تہلیل میں مشغول ہوتے ہیں اور محمدؐ کی اُمت کے واسطے بخشش کی دُعا کرتے ہیں اور جب صبح ہوتی ہے تو پھر سب کے سب آسمانوں کی طرف چلے جاتے ہیں اور دنیا کے آسمان کے فرشتے ان کا استقبال کرتے ہیں اور ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس جگہ سے آرہے ہو اور خدا نے بندوں کی حاجتیں پوری کرنے کیلئے کیا کاروائی کی اور کیا حکم دیا۔

حضرت جبرائیلؑ جواب دیتے ہیں کہ پروردگار نے جو ارحم الراحمین ہے نیکوں کو بخش دیا ہے اور بدکار لوگوں کو نیک آدمیوں کی سفارش سے بخشنے کا وعدہ کیا ہے۔ جب آسمان کے فرشتے یہ سنتے ہیں تو اس سے سب خوش ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ حمد اور ثناء میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہیں اور محمدؐ کی اُمت کو جو مغفرت اور خدا کی رضامندی عطا ہوتی ہے اِس کے شکر گزار ہوتے ہیں۔

خدا تعالیٰ عرش سے دریافت کرتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ تو نے اپنی آواز کیوں بلند کی ہے وہ جواب میں عرض کرتا ہے کہ اے میرے اللہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ محمدؐ کی اُمت کے نیکو کاروں کو قیامت کے دن بخشدیگا اور بدکاروں کے حق میں جو وہ سفارش کرینگے اِسے قبول کریگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے عرش تو سچ کہتا ہے۔ محمدؐ کے واسطے میرے پاس بیشمار خلعت ہیں اور ان کے عطا کرنے کیلئے اتنی چیزیں ہیں کہ نہ تو انہیں کسی کی آنکھوں نے دیکھا ہے اور نہ کسی کے کانوں نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں انکا خیال آیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جب حضرت جبرائیلؑ شب قدر میں آسمان سے نازل ہوتے ہیں تو ہر ایک مسلمان کو سلام کہتے ہیں اور اِس سے مصافحہ کرتے ہیں اور اِنکی نشانی یہ ہے کہ اِس وقت انسان کے بال کھڑے ہوجاتے ہیں اور آدمی کا دل بھی نرمی اختیار کرلیتا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو پڑتے ہیں اور روایت کرتے ہیں کہ خدا کے رسول اپنی اُمت کے فکر سے بہت غم میں رہتے تھے اِس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمدؐ تو کوئی غم اور رنج نہ کر میں تیری اُمت کو دنیا سے اِس وقت تک نہ اُٹھاؤں گا جب تک کہ انہیں پیغمبروں کے درجے نہ دے دوں اور انہیں سردار نہ بنالوں نبیوں کے پاس تو فرشتے وحی اور پیغام لاتے تھے اور تیری اُمت کے لوگوں پر شب قدر میں فرشتوں کو بھیجتا ہوں۔

شب قدر کے پہنچانے کے واسطے یہ علامت ہے کہ نہ تو اِس میں سردی ہوتی ہے اور نہ گرمی اور کہتے ہیں کہ اِس میں کتے کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی اور اِس رات کی صبح کو جب آفتاب نکلتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اِس میں کچھ روشنائی نہیں ہے اور وہ ایسا نظر آتا ہے جیسا کہ طشت ہوتا ہے اِس رات کی عجیب باتیں ان لوگوں پر ظاہر ہوتی ہیں۔ اہل دل، اہل طاعت، اہل ولایت اور جس کو خدا دکھانی چاہے ہر ایک کو اِس کے اندازے اور حال اور مرتبے اور قرب کے موافق نصیب ہوتی ہیں۔

عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ)

نوآبادکاری یا مفتوحہ علاقے میں مسلمانوں کو بسانا

رسول کریم ﷺ نے دس مصروف سال ایک مملکت کے قیام و استحکام میں نہ صرف صَرف کئے بلکہ اپنے ہونے والے جانشینوں کو حکمرانی اور سپہ سالاری کی بھی ساتھ ہی ساتھ مکمل تربیت دی، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے چند ماہ بعد ہی جب آپ ﷺ کے جانشین نے حضرت سیف اللہ خالد بن الولید کو ایرانی سرحد پر بھیجا تو اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں عربوں کا نہ سماسکنا اور سرحد پر نئی عرب بستیوں کا بسانا ایک طے شدہ مسئلہ تھا۔ چنانچہ امام ابو یوسف نے اپنی مشہور کتاب الخراج (صفحہ ۸۵) میں حضرت خالد اور حیرہ والوں کا ۱۲ھ کا جو طویل معاہدہ نقل کیا ہے، اس میں دارالاسلام اور دارالہجرت کا اس طور سے ذکر کیا گیا ہے کہ گویا وہ مشہور و معروف چیزیں ہیں، اور سیاق و سباق اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں کرنے دیتے کہ دارالاسلام سے مراد عرب ہے اور دارالہجرت سے مراد جنوبی عراق کا وہ مفتوحہ اسلامی علاقہ ہے جہاں عرب فوراً بستے جارہے تھے۔ اس سلسلے میں قادسیہ کی مشہور اور عہد آفریں جنگ کے بعد اسلامی سپہ سالار اور مرکزِ خلافت میں جو مراسلت ہوئی، وہ ایک مزید اہم تاریخی دستاویز ہے:۔

ثم کتب سعد الیٰ عمر بما فتح اللّٰہ علی المسلمین فکتب الیہ عمر: ان قف ولا تطلبوا غیر ذلك فکتب الیہ سعد ایضاً انما ھی سربة ادرکنا ھا والارض بین ایدینا۔ فکتب الیہ عمر۔ ان قف مکانك ولا تتبعھم واتخذ للمسلمین وارھجرة ومنزل جھادٍ و لا تجعل بینی و بین المسلمین بحراً۔

(تاریخ طبری حوالہ ۱۴ھ نیز تاریخ دینوری بر موقع)

(فیلڈ مارشل) حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے خلیفہ حضرت عمرؓ کو اس فتح کی کیفیت لکھ بھیجی جو خدا نے مسلمانوں کو (قادسیہ میں) عطا کی تھی تو حضرت عمرؓ نے انہیں جواب دیا کہ ٹھہرے رہو اور

کسی دوسری چیز کی تلاش نہ کرو۔ اس پر حضرت سعدؓ نے پھر لکھا کہ یہ تو (جانوروں یا عورتوں) کا ایک گلہ تھا جو ہمیں ملا۔ ورنہ زمین تو ہمارے سامنے پڑی ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پھر یہی جواب دیا کہ یہیں ٹھیرے رہو اور اُن کا پیچھا نہ کرو اور مسلمانوں کیلئے ایک جہاد کیلئے راستے میں ٹھہرنے کی منزل تیار کرو۔ لیکن مجھ میں اور مسلمانوں میں کوئی ندی، سمندر حائل نہ ہو۔

غرض اصول یہ تھا کہ ٹھوس اسلامی علاقے اور دشمن کے علاقے کے بیچ میں نو آبادیاں بسائی جائیں اور گھر سے ان کو کمک جانے میں کوئی موانع حائل نہ ہوں، اور اس نو آبادی کا منشا صرف ایک منزل اور اسٹیشن کا ہونا کہ اور آگے جانے میں سہولت ہو۔ اور بغیر اس طرح کے استحکامی انتظامات کرنے کے محض آگے بڑھ جانا، چاہے اس میں کتنی ہی سہولت کیوں نہ ہو، نا مناسب ہے۔ چنانچہ ان احکام کی تعمیل میں بصرہ اور پھر کوفہ بسائے گئے اور سکندر، ہلاکو، کی سی بے اصول فتوحات کا باوجود ہر طرح کی للچاہٹ کے سدباب کیا گیا۔ نتائج ظاہر ہیں کہ کس کی فتوحات دیرپا رہیں۔

جب اس طرح کی نو آبادیاں (یا اُس زمانے کی اصطلاح میں "دار ہجرت") چن لی جاتیں تو پھر سینکڑوں ہی نہیں ہزاروں عرب مع خاندانوں، بیوی بچوں اور غلاموں کے وہاں جا بستے۔ نو آبادی کا ایک خصوصی افسر ہوتا تھا جو سڑکوں کی جگہ چھڑواتا۔ مسجد اور بازار کی جگہ متعین کرتا اور پوری باقاعدگی سے دیکھتے ہی دیکھتے ایک عرب شہر آباد ہو جاتا۔ پروفیسر مارسے نے فرانسیسی اکاڈیمی کی رُکنیت پر منتخب ہونے پر جو افتتاحی مضمون لکھ کر سنایا تھا، وہ "اسلام اور حضری زندگی" پر تھا۔

اِس میں وہ تسلیم کرتا ہے کہ نئے شہر بسانے میں عرب بڑے خوش نصیب رہے ہیں اِن کا بسایا ہوا تقریباً ہر شہر آج بھی آباد و سرسبز ہے اور بعض کی اہمیت تو تیرہ سو سال گزرنے پر بھی روز افزوں ہے۔ (مثلاً بصرہ) شہر کوفہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جس طور سے بسایا گیا تھا اس پر پروفیسر ماسینیوں MASSI GNON نے ایک دلچسپ مقالہ شائع کیا ہے، جس کے ساتھ اِس ابتدائی بستی کا نقشہ بھی موجود ہے، جو اس عہد کی "تمصیر" یعنی شہر بسانے کے اصول پر اچھی روشنی ڈالتا ہے۔ (اس مقالہ کا عربی ترجمہ بھی کتاب کی صورت میں چھپا ہے)۔

نظر بندی:۔

اِس عنوان سے میرا منشاء یہ ہے کہ اپنے لوگوں کو فرار ہو کر دشمن سے جا ملنے سے جبراً روکا جائے۔تا کہ عارضی اختلاف رائے کے باعث اپنے دل برداشتہ بھائیوں کو ایسی حرکت نہ کرنے دی جائے جس کے سبب سے قطع تعلق مدامی اور نا قابل اصلاح ہو جائے۔

اِس سلسلے میں ایک تو صلح حدیبیہ کا مشہور واقعہ ہے جس میں قریش نے آنحضرت ﷺ سے یہ اقرار لیا تھا کہ اگر کوئی قریشی اپنے ولی و سرپرست سے پوچھے بغیر آنحضرت ﷺ کے پاس چلا آئے تو قریش کے مطالبے پر آنحضرت اُسے واپس کر دیں،لیکن کوئی مسلمان قریش کے پاس چلا جائے تو اِس کی تحویل نہیں ہو سکے گی۔قریش کا اِس سے ظاہر ہے وہی منشاء تھا جو اوپر بیان ہوا۔ اس یک طرفہ شرط کی پابندی کو آنحضرت ﷺ نے امام سرخسی کی رائے میں اِس لئے قبول کیا تھا کہ اِس وقت (۶ ھ میں) مسلمانوں کے وقت واحد میں دو دشمن تھے:۔مدینے کے شمال میں خیبری یہود اور مدینے کے جنوب میں مکی قریش۔ان میں باہمی حلیفی کی گفت و شنید ہو رہی تھی۔اور مسلمانوں میں اتنی قوت نہ تھی کہ دونوں کے علاقوں پر فوجیں بھیج کر سانپوں کو انڈوں ہی میں کچل سکیں،اور مناسب معلوم ہوتا تھا کہ کسی ایک فریق سے صلح کر کے دوسرے کا قلع قمع کیا جائے۔ حسبہ صلح حدیبیہ کی یہ شرط منظور کی گئی اور معاوضے میں قریش سے غیر جانبداری کا اقرار لیا گیا ہے۔ اور مہینے بھر بعد خیبر کے فتنے کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کی شرط تحویل کی تعبیر یہ فرمائی کہ کوئی مرد اگر مکے سے آئے تو وہ مطالبے پر واپس کر دیا جائے گا۔لیکن کوئی عورت اِس طرح واپس نہیں کی جائے گی اگر وہ مسلمان ہو چکی ہو۔معاہدہ ہو چکنے کے بعد بعض مقامات میں اِس تعبیر کی ضرورت پیش آئی تھی اور قریش نے بھی اِسے تسلیم کر لیا تھا۔

دوسری نظیر حضرت عمرؓ کے زمانے کی ملی ہے،چنانچہ ۱۷ھ کے حالات میں طبری نے حضرت عمرؓ کا ایک خط بنام قیصر ہرقل نقل کیا ہے:۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ ایک عرب قبیلہ ہمارے ملک کو چھوڑ کر تیرے ملک میں آ گیا ہے خدا

کی قسم! اگر تو اُن کو نکال واپس نہ کرے تو ہم (ہمارے ملک میں رہنے والے) نصرانیوں سے صلح توڑ دیں گے، اور ان سب کو تیرے ملک کی طرف جلاوطن کردیں گے"۔

تبادلہ آبادی:۔

عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں سوائے جنگی قیدیوں کے دیگر طبقات آبادی کے دوسرے ممالک میں تبادلہ کی مجھے کوئی نظیر نہیں ملی۔ فقہ کی کتابوں سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ کسی نومفتوح علاقے کے باشندوں کو عام طور پر چھ مہینوں کی مہلت ہوتی تھی کہ وہ اپنے مسکن کے متعلق فیصلہ کرلیں کہ اسلامی رعایا اور ذمی بننا چاہتے ہیں یا اپنے لئے کوئی اور ملک پسند کرکے چلے جانا چاہتے ہیں۔ مگر اسے مشکل ہی سے تبادلہ آبادی کہا جا سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو قومیت، نسل، زبان یا رنگ پر مبنی نہیں ہے۔ اس کیلئے اس زمانے میں غیر ممالک سے ہم قوم (یعنی مسلمان) تبادلے میں بھی مل نہیں سکتے تھے۔

تاریخ طبری، ۲۵۰۸/۱۱۔ اس قبیلے کا نام معلوم نہیں۔ ذرا آگے (ص ۲۵۰۹، ۲۵۱۰) طبری نے بنی تغلب کے عیسائیوں کے بھی فرار کے ارادے کا ذکر کیا ہے مگر وہ اس سے باز رہے۔ اصل میں یہ اسلامی رواداری اور بہی خواہی سے ناواقفیت اور محض بدگمانی اور تعصب کے باعث تھا۔ پھر جلدی ہی جب عیسائی رعایا نے اسلامی برتاؤ کو دیکھا تو اتنا متاثر ہوئے کہ پھر ہزار سال سے زائد کے اسلامی تسلط میں نہ انہوں نے کبھی بغاوت کی اور نہ اسلامی خانہ جنگیوں سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ حتیٰ کہ بیرونی عیسائی حملوں کے وقت بھی وہ بیزنطینیوں اور حروب صلیبیہ کے یورپیوں اور پوپ کے فرمائشوں پر یہ جواب دیتے رہے کہ تمہارے ہاتھ میں پڑنے پر ہم اسلامی حکومت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے متعدد "فضیحت انگیز" واقعات کا فرنگی مؤلف ذکر کرتے اور ان پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں، مثلاً:۔

Barthold Mussulman Culture, P.22.

A. L. Maycock, the Papacy, P. 48

Vasiliev, Byzantium et Islam.

وغیرہ۔اسلامی انصاف کی دو ایک مثالیں بے محل نہ ہوں گی:۔

ایک دن حضرت عمرؓ خانہ کعبہ کے سامنے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ایک عیسائی تاجر (بہ ظاہر رومی علاقے کا اجنبی) حرم کعبہ میں آکر خلیفے سے شکایت کرتا ہے کہ چنگی کے افسر مجھ سے سرحد پر ایک بار نہیں، ہر شہر میں ایک ہی سامان پر بار بار چنگی مانگتے ہیں۔حضرت عمرؓ نے فوراً فرمایا۔"ایسا نہیں ہوسکتا" اور پھر خطبہ اور نماز کو جاری رکھا۔چونکہ انہوں نے مزید کچھ نہ فرمایا تھا۔ اِس لئے تاجر مایوس ہوکر چنگی خانہ پہنچا مگر دیکھا کہ اس کے آنے سے بھی پہلے حضرت عمرؓ کا فرمان پہنچ چکا ہے کہ مکرر چنگی نہ لی جائے۔(ابو یوسف، کتاب الخراج، صفحہ ۷۹)

حمص کی فتح کے بعد دشمن کے جوابی حملے کے باعث مسلمانوں کو اس کا تخلیہ کرنا پڑا، اور انہوں نے سارے وصول کردہ ٹیکس غیر مسلم باشندوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ ہم اب تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے ہیں۔اِس لئے تمہارے مال پر بھی ہمیں کوئی حق نہیں۔حمصی عیسائیوں نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔اللہ تمہیں جلد واپس لائے۔(ابو یوسف، کتاب الخراج ص ۸۱)

منتقلی و جلاوطنی:۔

جلاوطنی کی البتہ بہت سی نظیریں ملتی ہیں۔

آنحضرتؐ نے مدینے کے یہودی قبائل "بنو قینقاع" اور بنونضیر کو ان کی شرارتوں کی بناء پر حکم دیا تھا کہ مدینے سے چلے جائیں۔اِن میں سے اکثر خیبر میں جا بسے، جو اس وقت تک ایک آزاد شہری مملکت تھا۔ ۷ھ میں جب اِس کا الحاق مملکت اسلامیہ سے ہوا تو ابتداً سب یہودیوں کو وہاں سے بھی چلے جانے کا حکم دیا گیا۔پھر انہیں تا حکم ثانی اس شرط پر وہاں رہنے کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنے باغوں کی آدھی فصل مالگزاری میں دیں۔

جلاوطنی کے سلسلے میں آنحضرتؐ کی وہ مشہور حدیث یہاں بیان کی جاسکتی ہے۔جو اپنی وفات سے کچھ ہی عرصہ پہلے آپؐ نے ارشاد فرمائی تھی کہ عرب میں دو دین والے نہ رہیں (یعنی صرف ایک ہی دین کے پیرو یعنی مسلمان رہیں) اور یہ کہ یہود و نصاریٰ کو عرب سے نکال دیا جائے۔اِس کی تعمیل میں حضرت عمرؓ نے نجران (یمن) سے عیسائیوں کو اور خیبر وغیرہ سے

یہودیوں کو نکال کر دیگر اسلامی علاقوں یعنی عراق اور شام میں منتقل کر دیا۔ اِس پالیسی کا شائد یہ منشاء تھا کہ صدر مقام اور مرکز میں اجنبی اور نا قابلِ اعتماد عناصر نہ رہیں اور یہ امر نیم جنگی اور نیم معاشرتی مصلحت پر مبنی تھا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں فیلڈ مارشل حضرت ابوعبیدہؓ نے بعلبک والوں سے جو معاہدہ کیا تھا (دیکھئے تاریخ طبری) اُس میں یونانیوں کو چند ماہ تک ملک میں رہنے کی اجازت دی گئی تھی جس کے بعد انہیں وہاں سے جہاں جی چاہے نکل جانے کا پابند کیا گیا تھا، بجز اُن کے جو مسلمان ہو جائیں۔ شہر بیت المقدس سے جو معاہدہ ہوا اُس میں حضرت عمرؓ نے مقامی عیسائیوں کی یہ شرط منظور کی تھی کہ اُن کے شہر میں یہودی نہ رہنے دیئے جائیں۔ (حوالہ ایضاً)

مختصر یہ کہ اوّلاً استحکام پھر توسیع، کا اصول اِس عہد کی پالیسی کا ایک اہم ستون اور **لا اکراہ فی الدین** (قرآن ۲/۲۵۲) کے حکم کے باعث جبراً کسی کو مسلمان بنانے کی تو کبھی بھی اجازت نہ ملی۔ لیکن حکومتِ الٰہیہ کا قیام ایک فریضہ قرار دیا گیا اور "**وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ** (۸/۳۹) میں "دین" سے مراد غلبہ اور حکومت ہے) اور ذمی رعایا بننے کی اِس شرط پر اجازت دی گئی کہ وہ اطاعت کریں، "صغار" قبول کریں یعنی حکومت میں شرکت نہ چاہیں اور شرائط معاہدہ کی تعمیل کرتے رہیں۔ ایسا ہو تو ان کو ہر کام کی آزادی رہے گی۔ اور ان کے مذہبی اور عدالتی مسائل انہیں کے ہم قوم افسروں کے سپرد رہیں گے، اور ان کی جان و مال کی اسلامی حکومت اتنی ہی حفاظت کرے گی جتنی مسلمان رعایا کی۔ یہی حال عہدِ نبویؐ میں شروع سے رہا جب کہ مدینے کے یہودیوں نے آنحضرتؐ کو اعلیٰ ترین عدالتی اور فوجی اور سیاسی اختیارات سپرد کر دیئے تھے اور یہی اصول خلافتِ راشدہ میں بھی کارفرما رہا۔ (رسالہ سیاست حیدر آباد۔ جولائی ۱۹۴۰ء) (جاری ہے)

مظاہر فطرت اور معرفت باری تعالیٰ

(عبدالقیوم ہاشمی)

دین اسلام اور دیگر مذاہب کی تعلیمات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں اللہ تعالیٰ ہی ہمارے اِلٰہ ہیں وہی ہمارے معبود ہیں، رب ہیں، ان ہی کی ہم عبادت کرتے ہیں اور ان سے ہی استعانت کرتے ہیں۔ انہی مسلمہ حقائق پہ پختہ ایمان ہونے کے سبب مسلمان کی عظمت دیگر انسانوں پہ خود بخود فوقیت اختیار کر لیتی ہے کیونکہ سچے مسلمان کی توجہ اور محبت کا مرکز صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ذات ہوتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب کا حصول مسلمان کے حصے میں از خود سہل انداز میں میسر آ جاتا ہے۔

قرآن کریم کے مطابق جن اور انسان کی تخلیق کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرنا ہے، لہٰذا حقیقی بندگی اُسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت و پہچان اور اسکی بزرگی و عظمت کا کسی قدر درست علم حاصل ہو۔ اللہ کی عظمت معلوم کرنے کا آسان راستہ اسکی صفات سے زیادہ سے زیادہ آگاہی حاصل کرنے سے ہوگا۔ اس لئے ہمیں رب تعالیٰ کی پیدا کردہ تخلیقات پہ خوب غور و تفکر کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ہم مسلمان اِس میدان میں بہت پیچھے ہیں اسی لیے اللہ رب العزت کی عظمت و بزرگی کا احساس ہمارے دلوں میں بہت محدود انداز میں پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم ہمیں بار بار اس طرف مائل فرماتا ہے۔ (سورۃ الغاشیہ آیت 88 میں ہے)

ترجمہ! کیا یہ اُونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے بنایا گیا۔

ترجمہ! اس نے پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تا کہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے۔ اس نے دریا جاری کیے اور قدرتی راستے بنائے تا کہ تم ہدایت پاؤ (النحل 16-15)

ترجمہ! وہ زندہ کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ میں سے نکال لاتا ہے اور زمین کو اِسکی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے اِسی طرح تم لوگ بھی (حالت موت سے) نکال لئے جاؤ گے۔ (سورہ روم آیت 19)

ترجمہ! اور ہر طرح کے پھولوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ۔ اس (شہد کی) مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفاء ہے لوگوں کیلئے۔ یقیناً اِس میں نشانی ہے اِن لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ (النحل۔ 69)

ترجمہ! اُسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ پھر وہی ہے جس نے اِس جان کا جوڑا بنایا اور اُسی نے تمہارے لئے مویشیوں میں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کئے۔ وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے یہی اللہ تمہارا رب ہے بادشاہی اُسکی ہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں پھر تم کدھر سے پھرائے جا رہے ہو۔

(الزمر۔ آیت نمبر 6)

ترجمہ! کیا وہ لوگ جنہوں نے انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی کے ذریعے ہر زندہ چیز پیدا کی۔ کیا وہ (ہماری اس خلاقی کو) نہیں مانتے؟۔ (الانبیاء۔ 30)

"ان لوگوں کیلئے بے جان زمین ایک نشانی ہے۔ ہم نے اِسکو زندگی بخشی اور اس سے غلہ نکالا جسے یہ کھاتے ہیں"۔ (یٰسین۔ 36)

ترجمہ! کہہ دیجئے کہ وہ زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ آفرینش کی ابتدا کیسے ہوئی۔

ترجمہ! کیا یہ لوگ کائنات اور اِس میں جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان پر غور نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِنکی موت قریب آ گئی ہے۔ (سورہ اعراف۔ 185)

حضورؐ نے فرمایا کہ ایک گھڑی کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ آنحضورﷺ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے! اے اللہ ہمیں تمام اشیاء کی اصل حقیقت سے آگاہ فرما۔

ایک بیج سے درخت کا پیدا ہونا اور انڈے سے چوزے کا باہر آنا ہماری عدم توجہ اور روزمرہ واقعات ہونے کے سبب ہمیں یہ سب معمولی باتیں لگتی ہیں حالانکہ غور و تفکر سے کام لیا جائے تو انسان حیرت کے سمندر میں ڈوب جائے۔ افسوس اِس بات کا ہے کہ جو حامل قرآن ہیں وہ خود ہی معرفت الٰہی کے ان خزانوں سے لاپرواہی برت رہے ہیں اور غیر مسلم انہی حوالوں سے تسخیر کائنات کی منزلیں طے کر رہے ہیں اور اکثر ملحد سائنس دان اور مفکر اللہ کی ذات پر ایمان لے آتے ہیں۔ دین اسلام ہمیں صرف تسخیر کائنات کا ہی درس نہیں دیتا بلکہ تسخیر کائنات کرتے ہوئے اللہ کی حقیقی معرفت کی منزل طے کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ کیونکہ اِسی سے بندے اور رب کا درست اور محبت بھرا رشتہ قائم ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوقات کا مشاہدہ کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ اِس حوالے سے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

ایک سائنسدان کی ریسرچ لیبارٹری میں ایک نئے طالب علم نے داخلہ لیا۔سائنس دان نے اُسے ریسرچ ورک دیا کہ وہ پوری توجہ سے گلاس کیس میں تیرتی ہوئی ایک مچھلی کا مشاہدہ کرتا رہے۔کچھ دن بعد سائنس دان نے طالب علم سے پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا؟تو طالب علم نے کہا کہ جناب مچھلی کو دائیں بائیں حرکت کرنے کے سوا میں اور کیا دیکھ سکتا تھا۔

سائنسدان نے کہا کہ مزید مشاہدہ کرو حقیقتاً تم نے ابھی کچھ نہیں دیکھا۔اگلے ہفتے سائنسدان نے پھر دریافت کیاتو طالب علم نے کہا کہ اب مجھے مچھلی کے تیرنے کی تکنیک اِسکی خوراک لینے اور فضا سے ہوا حاصل کرنے و دیگر عادات کی بیش بہا معلومات حاصل ہوئی ہیں اور مچھلی کے اندر ایک نئی ہی دنیا آباد نظر آئی ہے۔حقیقت شناس سائنسدان نے کہااب بھی تمہارا مشاہدہ ناپختہ ہے مزید تفکر و مشاہدہ کرو۔کچھ دن بعد سائنسدان نے پھر پوچھا تو اُس طالب علم نے کہا کہ جناب اب میری سوچ مچھلی پیدا کرنے والے خالق کی عظمت اور اسکے کمالات کی طرف مائل ہو گئی ہے اور میں ہر وقت حیرت زدہ ہو کر سوچتا رہتا ہوں کہ مچھلی کا خالق کس درجہ بلند ذات ہےاور اب اُسکی محبت اور عظمت میرے سینے میں سما گئی ہے۔حقیقت شناس سائنسدان نے کہا کہ اب تمہارا مشاہدہ پختہ ہوا ہے۔

ہمارے روحانی سلسلوں میں بھی غور و تفکر کیلئے مختلف طریقوں سے مراقبے کرائے جاتے ہیں تا کہ اللہ کی بندگی و عظمت دلوں میں بڑھتی چلی جائے۔

مظاہر فطرت کے مشاہدہ کی اہمیت علامہ اقبالؒ اپنے خطبے میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔"اِس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک نے فطرت کے مشاہدے میں غور و فکر کی ترغیب دلائی تو اِس لئے کہ ہم اِس حقیقت کا شعور پیدا کریں جس کی عالمِ فطرت کو اس نے ایک آیت ٹھرایا ہے۔لیکن یہاں توجہ طلب امر قرآن مجید کی وہ مشاہدہ بالحواس روش ہے جس سے مسلمانوں کے اندر عالم واقعیت کا احترام پیدا ہوا اور جس کی بدولت آگے چل کر انہوں نے علوم جدید کی بنیا دڈالی۔پھر یہ کہ مشاہدے کی اِس روح کو اس زمانے میں بیدار کیا گیا جوذات باری تعالیٰ کی جستجو میں دکھائی دینے والی (مرئی)اشیا کو بے حقیقت سمجھتے ہوئے سرے سے نظر انداز کر چکا تھا یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔جیسا کہ ہم اِس سے پہلے عرض کر آئے ہیں قرآن مجید کے نزدیک کائنات کے اندر کوئی بہت بڑا مقصد کام کر رہا ہے۔یہ فطرت ہی کے پیہم انقلابات ہیں جن کے پیش نظر ہم مجبور ہو

جاتے ہیں کہ اپنے آپ کو نئے نئے سانچوں میں ڈھال دیں۔ پھر جوں جوں ہم اپنی ذہنی کاوشوں سے علائق فطرت پر غلبہ حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں اُس سے ہماری زندگی میں وسعت اور تنوع پیدا ہوتا ہے اور ہماری بصیرت تیز تر ہوجاتی ہے۔ یوں ہی ہم اِس قابل ہوتے ہیں کہ محسوسات کے زیادہ نازک پہلو اپنی گرفت میں لے آئیں۔ حقیقت اپنے تمام مظاہر میں موجود ہے اور انسان جو ایک متزاحم ماحول میں زندگی بسر کررہا ہے، مرئی یعنی دکھائی دینے والی چیزوں کو نظر انداز نہیں کرسکتا"۔ آگے چل کر پھر فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم نے انسان کی مشاہداتی روش کو اسکی روحانی زندگی کا ایک ناگزیر مرحلہ ٹھرایا ہے اور اس لئے محسوسات کے ہر عالم کو یکساں اہمیت دی کیونکہ وہ حقیقتِ مطلق کے علم و ادراک کا ایک ذریعہ ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی کسی ایک بھی تخلیق پہ غور و تفکر کریں اُسی سے رب تعالیٰ کی عظمت و بزرگی عیاں ہوجائے گی۔ آنحضور ﷺ کے دور میں مچھر کی مثال پہ کفار نے طنز کیا تو قرآن کریم نے واشگاف الفاظ میں فرمایا۔

"بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا کہ وہ مچھر یا اس سے بھی حقیر تر چیز کی مثال بیان کرے۔ پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں بھلا اللہ کو ایسی مثال سے کیا مقصود؟"۔

لیکن آج سائنس نے خود مچھر کو عظیم الشان تخلیق مان لیا ہے۔ مثلاً مچھر کے ڈیزائن، ساخت اور اسکی اڑنے کی صلاحیت، حرکت، سرعت رفتاری، خطرہ کو سونگھنے کی حس، چابکدستی کم سے کم توانائی سے زیادہ سے زیادہ کارکردگی اسکے علاوہ ابھی مچھر کی مزید دماغی صلاحیتوں کے بارے میں دریافت ابھی باقی ہے۔

سبحان اللہ جسے حقیر مخلوق گردانا جاتا ہے اللہ رب العزت نے اسکی تخلیق میں بھی کسقدر کمالات بھر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مشاہدۂ فطرت کے ذریعے اپنی عظمت سے آشنا فرما کر اپنی قربت اور معرفت نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

حرب اسلامی اور دفاع پاکستان

(کرنل فضل ربی)

معاشی اِستحکام

کسی ملک کے دفاع کیلئے وہاں کی معیشت کا بہتر ہونا ضروری ہے۔جب تک معیشت مضبوط بنیادوں پر اِستوار نہ ہو۔قوم کے اندر معاشی تفاوت کم سے کم نہ ہو تب تک ملک کا مضبوط دفاع ناممکن ہے۔نبی کریم ﷺ نے اِس سلسلے میں ہجرت کے ساتھ دو اصولوں پر عمل کیا۔ایک طرف تو اسلامی ریاست کے باشندوں کی معاشی خود کفالت کا اِنتظام کیا۔جبکہ دوسری طرف قریش مکہ پر معاشی دباؤ ڈالا تا کہ وہ معاشی طور پر مفلوج ہو کر اسلامی ریاست کے خلاف جنگی کاروائی کے اہل نہ رہیں۔حبشہ اور دوسرے علاقوں کی طرف مکمل ہجرت کی بجائے مدینہ کا اِنتخاب نبی کریم ﷺ نے اِس غرض سے کیا تھا کہ مدینہ جغرافیائی اور دفاعی لحاظ سے اہم مقام تھا نیز اقتصادی اعتبار سے قریش مکہ کے لئے مدینہ کو شہ رگ کی حیثیت حاصل تھی۔

مسلمانوں کی معاشی کفالت کیلئے نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں جو امور اختیار فرمائے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

مواخات ہجرت مدینہ کے ساتھ ہی ابتدائی پانچ مہینوں میں نبی کریمؐ نے ریاست مدینہ کے اندرونی استحکام کی طرف توجہ دی۔اِس سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے جو تین بڑے اقدام کیے وہ مسجد نبوی کی تعمیر ،آس پاس کے قبائل سے معاہدے اور مواخات (بھائی چارہ) ہیں یہ انصار و مہاجرین کے درمیان ایک معاشی معاہدہ تھا ہر انصاری نے ایک مہاجر کو اپنے مال و جائیداد میں برابر کا شریک ٹھہرا دیا۔نبی کریم ﷺ نے بنفسِ نفیس باقاعدہ اس تقسیم کو طے فرمایا۔

انصار مہاجرین کے ساتھ بھائی چارہ کیلئے اس طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے کہ قرعہ اندازی کی نوبت تک آجاتی۔

ایک ایک مہاجر کو انصار کا بھائی بنایا گیا انصار زراعت پیشہ تھے اور مہاجر تجارت پیشہ تھے۔ لہٰذا مواخات سے مہاجرین کی کفالت کے ساتھ ساتھ ریاست معاشی طور پر مستحکم ہوگئی۔زراعت اور تجارت دونوں میدانوں میں ترقی ہوئی۔دنیا کی تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ دیارِ غیر سے

آئے ہوئے مہاجرین کیلئے انصار نے گھر تقسیم کیے اور دو کانیں تقسیم کیں۔

مال غنیمت جہاد میں دشمن سے حاصل کیے گئے مال کو نبی کریم ﷺ نے ایک با قاعدہ منظم طریق سے تقسیم فرمایا۔ اِس سے قبل انفرادی سعی اور کوشش کے نتیجہ میں جو جتنا مال لڑائی میں حاصل کرتا وہ اس کا مالک ہو جاتا۔ اِس بے قاعدگی سے بچنے اور معاشی مساوات کی خاطر احکام شرعیہ کے مطابق مال غنیمت کے پانچ حصے بنائے جانے لگے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْئٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جان لو کہ تمہیں مال غنیمت میں جو کچھ ملے اِس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور اُس کے رسول کیلئے ہے۔ (41:8)

پانچواں حصہ بیت المال میں رکھا جاتا جس کا تصرف اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق ہوتا۔ باقی چار حصے مجاہدین میں برابر تقسیم کر دیئے جاتے۔ حتیٰ کہ سالار عسا کر سے لے کر پچھلی صفوں میں لڑنے والے سپاہ نیز غزوات میں حصہ لینے والی خواتین کو بھی برابر کا حصہ عطا کیا جاتا تھا۔

غنیمت کے اِس تقسیم کار سے ریاست اسلامی معاشی طور پر مستحکم ہوئی اور اسی استحکام کی بدولت رعایا کیلئے اطمینان اور نئے ہتھیاروں کا حصول ممکن ہوا۔

بیت المال کا قیام:۔ اسلامی ریاست کے معاشی نظام کو عمدگی کے ساتھ چلانے کیلئے نبی کریم ﷺ نے بیت المال کو قائم کیا۔ مسجد نبوی کا ایک حجرہ بیت المال کے طور پر استعمال ہوتا تھا اِس مقفل کمرے میں سرکاری رقوم اور سرکاری مالیت کی اشیاء پڑی رہتی تھیں۔ حضرت بلالؓ اِس کے انچارج تھے۔

عہد نبوی میں ایک صحابیؓ کے ذمہ یہ کام بھی تھا کہ وہ فوج کیلئے جسمانی طور پر اہل والنٹیرز (VOLUNTEERS) نوجوانوں کے نام لکھیں جنہیں فوجی مہم کے وقت فوری طور پر بلایا جا سکے۔ اِنہی لوگوں کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا۔ قرآن وحدیث میں جا بجا بیت المال کے ذرائع آمدن اور مصارف کی تفصیل موجود ہے۔ اجمالی طور پر بیت المال کے لئے آمدنی کی مدات مندرجہ ذیل تھے۔

عشر، خراج، جزیہ، زکوٰۃ، صدقات نافلہ، فئی، خمس، وقف، اموال نافلہ، عشور، ضرائب وغیرہ۔ یہ تمام مدات بیت المال کے آمدن کے ذرائع تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی ذات

بابرکات کے لئے بیت المال سے استفادہ نہیں کیا بلکہ اِس آمدنی کو قرآنی حکم کے مطابق خرچ کیا۔ارشادِ ربانی ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ۔

یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں۔اور اِن لوگوں کے لئے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور اِن کیلئے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔نیز غلاموں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر نوازی میں اِستعمال کرنے کیلئے ہیں۔

(60:9)

دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی ECNOMIC BLOCKADE

دشمن کو اپنی طاقت بڑھانے سے روکنے اور اِس کو حق کے سامنے جھکانے کے لئے اِقتصادی ناکہ بندی ایک موثر ہتھیار ہے۔بیسویں صدی میں تو اِس ہتھیار کی اہمیت اور واضح ہو چکی ہے۔مغربی اقوام پسماندہ ممالک کے خلاف صرف اِسی ہتھیار کو استعمال میں لا کر اپنی اجارہ داری قائم کئے ہوئے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے چودہ سو آٹھ (۱۴۰۸) سال قبل دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کے لئے منصوبہ بنایا۔چنانچہ نبی کریم نے ﷺ قریش کے تجارتی قافلے کو جو مدینہ کے قریب سے شام کی طرف جاتے کو روکنے کا فیصلہ فرمایا۔جنگ بدر کبریٰ سے قبل تقریباً سات مرتبہ مسلمان فوجیں قریش کے قافلے کو روکنے کے لئے مدینہ سے باہر گئیں۔قریش کیلئے یہ مزاحمت قابل برداشت نہ تھی۔اِسلئے جب ۲ھ میں ابوسفیان کے تجارتی قافلے کو روکنے کی اطلاع قریش کو ملی تو دو ہزار کا مسلح لشکر لے کر باقاعدہ تصادم کیلئے نکل پڑے۔اور نتیجتاً جنگ بدر (رمضان المبارک ۲ھ) کا واقعہ پیش آیا۔

شام کے ساتھ تجارت میں رخنہ پڑنے کے بعد قریش نے عراق کے ساتھ تجارت کا آغاز کیا۔نبی کریم ﷺ نے اِن قافلوں کو روکنے کا اہتمام کیا۔چنانچہ حضرت زید بن حارثؓ کی امارت میں سو ۱۰۰ سواروں کا دستہ ۳ھ میں صفیان بن اُمیہ کے قافلے کو روکنے کیلئے بھیجا۔تجارتی نظام میں رخنہ و رکاوٹ پڑنے سے قریش کی اِقتصادی ترقی بالکل رُک گئی اور سامانِ حرب و ضرب میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکے جس سے قریش کی دفاعی حیثیت خود بخود کمزور ہو گئی۔

اِن تدابیر سے مسلمان تنگیِ معاش سے آزاد ہوئے اور ملکی دفاع میں خلوص اور لگن کے ساتھ اِن کی شرکت ممکن ہوئی۔

اِسی طرح دفاعی تیاری کے سلسلے میں **وَاَعِدُّوْالَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ** ۔ پرعمل درآمد کے سلسلہ میں جنگی اسلحہ اور ساز وسامان کے حصول کیلئے سرمایہ فراہم ہوا۔اسلحے کے حصول اور اسلحہ سازی سیکھنے کی غرض سے نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کو آس پاس کے علاقوں میں بھیجتے تھے۔غزوہ حنین (۸ھ) کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے دو صحابہ کرامؓ حضرت عروہ بن مسعودؓ اور حضرت غیلان بن اسلمؓ کو جُرش نامی شہر میں بھیجا تھا۔اِسی طرح دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی سے مندرجہ ذیل فوائد سامنے آئے۔

☆ مسلمانوں کی طرف سے اپنے علاقوں اور راستوں کی حفاظت کا انتظام ہوا۔

☆ قریش کے خلاف سرد جنگ (COLD WAR) کا آغاز ہوا۔

☆ قریش کا دائرہ معیشت تنگ ہوتا گیا۔

☆ قریش ضرورت کے مطابق اپنے لئے سامانِ حرب وضرب مہیا کرنے کے قابل نہ رہے۔اِس دباؤ کا مقصد قریش کی حربی طاقت کو گھٹانا تھا۔نہ کہ اِن کو ہلاک کرنا تھا۔چنانچہ ہجرت کے بعد مکہ میں قحط پڑا تو نبی کریم ﷺ نے ابوسفیان کی درخواست پر اللہ تعالیٰ سے قحط سالی ختم ہونے کی دُعا کی۔

اِسی طرح جب حضرت ثمامہؓ نے یمامہ کے علاقے سے قریش مکہ کو گندم کی سپلائی بند کردی۔ تو جانی دشمن کے باوجود بھی نبی کریم ﷺ نے حضرت ثمامہؓ کو غلہ بدستور بھیجنے کی ہدایت کی۔(جاری)

منی کنونشن کراچی

(رحمت اللہ شاہ)

سالانہ کنونشن 2006 کے موقع پر کراچی کے بھائی جناب منیر احمد لودھی صاحب نے اعلان کیا کہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کی طرف سے کراچی میں منی کنونشن کے انعقاد کی اجازت مل گئی ہے۔ سب بھائیوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ 30,29,28 جولائی 2006 کو کراچی میں تشریف لائیں۔ منی کنونشن گلشن اقبال کراچی میں واقع دیوا کمپلیکس Dewa (Deaf Eduncation and welfare Association Complex) میں ہونا طے پایا۔ کراچی کے میزبان بھائیوں کی طرف سے یہ دعوت عام تھی تاہم سفر کی طوالت اور بھائیوں کی سہولت کے پیش نظر اس پروگرام میں شرکت صوابدیدی تھی۔

کراچی منی کنونشن کی انتظامیہ کی جانب سے بھائیوں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ اپنی آمد سے مطلع کریں تا کہ انہیں کراچی آمد پر خوش آمدید کہا جائے اور دیوا کمپلیکس پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔ مختلف حلقہ جات سے پیر بھائی جمعہ صبح ہی کراچی پہنچنا شروع ہو گئے۔ جن کے استقبال کیلئے میزبان بھائی پہلے سے موجود تھے۔ منی کنونشن میں توقعات سے کہیں زیادہ بھائی شریک ہوئے۔ پیر بھائیوں نے گوجرانوالہ، نوشہرہ ورکاں، ڈسکہ، لاہور، جڑانوالہ، ملتان، شجاع آباد، لسوڑی اور جلالپور پیروالہ کے حلقہ جات کی بھرپور نمائندگی کی۔

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ جناب محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی نے اپنے ابتدائی پروگرام سے آگاہ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ بھی بھائیوں کے ساتھ بذریعہ ریل گاڑی کراچی تک کا سفر کریں گے تاہم قبلہ حضور کی صحت اور بھائیوں کی خواہش کے پیش نظر ہوائی جہاز کے ذریعے لاہور سے کراچی کے سفر کو حتمی شکل دی گئی۔ گوجرانوالہ سے جناب محمد شفیق صاحب اور لاہور سے جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے قبلہ محمد صدیق ڈار کی رفاقت میں لاہور سے کراچی تک کا سفر کیا۔ قبلہ حضور بروز بدھ لاہور تشریف لائے۔ نماز مغرب کے بعد حلقہ ذکر مولوی محمد یعقوب صاحب کے گھر ہوا جس میں لاہور کے اکثر پیر بھائیوں نے شرکت کی۔ بروز جمعرات لاہور سے کراچی کا سفر کیا۔

دیوا کمپلیکس وسیع وعریض رقبہ پر واقع ہے جس کی بیرونی دیواروں کے ساتھ ناریل کے

درخت دلکشی کا سماں ہیں۔ اگرچہ اس ادارہ کی پہچان ڈگری سطح پر گونگے، بہرے بچوں کے ادارہ کی ہے تاہم یہاں نارمل بچے بھی ان کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اِس کا دوسرا کیمپس اسلام آباد میں تکمیل کے مراحل میں ہے۔ صدر پاکستان کی طرف سے ایک حکم نامہ کے ذریعے اِسے یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ دنیا میں واشنگٹن ڈی سی میں موجود گونگے بہرے بچوں کی یونیورسٹی کے بعد دوسری یونیورسٹی ہوگی۔ جو کہ اپنی نوعیت کی دنیا میں پہلی یونیورسٹی ہے۔ اِس کی وسیع و عریض عمارت، بچوں کیلئے الگ بلاک، کھیلوں کے میدان، سوئمنگ پول، نرسری اور ایک بڑا شعبہ ٹرانسپورٹ ہیں۔ ادارہ کے اندر جامع مسجد بنائی گئی ہے۔

یہ ادارہ جناب منیر احمد لودھی صاحب کی کاوشوں سے خدمت خلق کے جذبہ کے تحت وجود میں آیا اور چل رہا ہے۔ کراچی میں استعمال کیلئے کھارا پانی ہونے کے باوجود اللہ نے اس ادارہ کی زمین کے پانی کو میٹھا کر دیا ہے۔

پانی کی ترسیل کیلئے ادارہ کا اپنا اِنتظام ہے۔

28 جولائی نماز جمعۃ المبارک سب شرکاء نے دیوا کمپلیکس کی جامع مسجد میں ادا کی۔ اِنتظامیہ کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ آج حلقہ ذکر ساحل سمندر پر ہوگا جس کیلئے تقریباً 4:00 بجے روانگی ہوگی۔ نمازِ عصر ساحل سمندر پر ادا کی جائے گی۔ دیوا کمپلیکس سے ٹھیک وقت پر روانگی ہوئی اور پروگرام کے مطابق کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت کے بعد ساحل سمندر پر طے شدہ مقام ''ہاکس بے'' Hawks Bay پہنچے۔ نمازِ عصر باجماعت ادا کی گئی۔ ہاکس بے Hawks Bay کے بارے میں بتایا گیا کہ جغرافیائی اعتبار سے یہ صوبہ بلوچستان میں ہے۔ یہاں ساحل کے قریب بڑی بڑی قومی اور بین الاقوامی کمپنیوں اور اداروں نے Huts بنائے ہوئے ہیں جہاں ان کے اعلیٰ عہدہ دار قیام کرتے ہیں۔ حلقہ ذکر اور قیام کیلئے جس Hut میں انتظام تھا اس کیلئے اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ جگہ بہت خوبصورت تھی۔ جس میں سمندر کی طرف ایک دروازہ تھا جہاں سے اُتر کر کچھ بھائی سمندر کی لہروں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اونٹ اور گھوڑے کی سواری کی اور تصاویر بھی بنائیں۔ نمازِ مغرب سے قبل ہی Hut میں واپس آئے جہاں قبلہ حضورؒ باقی بھائیوں کے ساتھ سمندر کا نظارہ کر رہے تھے۔ یہاں چائے بسکٹ سے تواضع ہوئی۔ نمازِ مغرب کی اذان کے ساتھ ہی باجماعت نماز ادا کی گئی اور حلقہ ذکر ہوا۔ حلقہ ذکر

کے اہتمام پر شہر کراچی کے روایتی کھانے اور مشروب پیش کئے گئے۔ ہاکس بے Hauks Bay سے واپسی پر کلفٹن آئے۔ یہاں مختلف مقامات سے سمندر کی لہروں کا نظارہ کرتے رہے اور نصف شب کو دیوا کمپلیکس واپس آئے۔ نمازِ عشاء ادا کی اور پہلا دن اختتام پذیر ہوا۔

منی کنونشن کے دوسرے روز ناشتہ کے بعد ختم قرآنِ پاک کی محفل ہوئی۔ اِس روز سب بھائیوں کی مختلف مصروفیات رہیں۔ سارا دن بوندا باندی کا سلسلہ جاری رہا اور موسم اِنتہائی خوشگوار ہو گیا۔ نمازِ عصر کے بعد قبلہ حضورؒ کے ساتھ سب بھائی لان میں بیٹھے جہاں دعوت و تبلیغ، حمد و نعت، کلام اقبال اور باہمی گفت و شنید کے ساتھ چائے کا دور چلتا رہا۔ نمازِ مغرب کے بعد حلقۂ ذکر دیوا کمپلیکس میں موجود رہائش گاہ پر ہوا مقامی لوگوں نے بھی حلقۂ ذکر میں شرکت کی۔ حلقۂ ذکر کے فوراً بعد قبلہ حضرت محمد صدیق ڈار صاحب نے نئے بھائیوں سے بیعت لی اور شرینی تقسیم ہوئی۔ بعد ازاں دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا اور منی کنونشن کا دوسرا دن گزر گیا۔

منی کنونشن کے آخری روز صبح کی عمومی مصروفیات سے فراغت کے بعد ایک نشست ہوئی جس میں جناب منیر احمد لودھی صاحب نے کراچی کے بھائیوں اور اِنتظامیہ کی جانب سے سب مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور اِختتامی کلمات کہے۔ شرکاء کی جانب سے قبلہ حضورؒ کے حکم سے سید امین شاہ صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب نے میزبان بھائیوں کی پر خلوص، انتھک اور شاندار خدمات کو سراہا۔ قبلہ حضورؒ نے اِختتامی کلمات کہے اور سب بھائیوں نے ترانۂ توحیدیہ مل کر پڑھا جس کے بعد قبلہ حضورؒ نے دعا کرائی۔

دعا کے بعد بھائیوں کیلئے خریداری اور مزید سیر وغیرہ کا اِنتظام کیا گیا۔ سب بھائیوں نے اِسی دن اور اگلے دن دیوا کمپلیکس کو الوداع کہا جنہیں ریلوے اسٹیشن یا بس سٹاپ تک پہنچا کر الوداع کہا گیا۔

قبلہ حضورؒ نے مولوی محمد یعقوب صاحب کے ساتھ دیوا کمپلیکس میں قیام کیا بروز بدھ واپسی تک مصروفیات جاری رہیں۔ جن میں قائل ذکر بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے بھتیجے جناب انور علیم انصاری صاحب سے بروز منگل ملاقات اور ڈنر کی دعوت تھی۔ جس میں بابا جی کے علاوہ منیر احمد لودھی صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب اور معراج صاحب نے شرکت فرمائی۔

قیام کراچی کے تذکرہ میں جناب حاجی بشیر صاحب کا ذکر کرنا اِنتہائی ضروری خیال کرتا ہوں۔ حاجی بشیر صاحب المعروف "وزیر خوراک" نے گوجرانوالہ کے بھائیوں کو کراچی آمد سے قبل ہی اپنے ہاں دعوت دی تھی۔ جسے اُنہوں نے قبول کیا۔ جناب محمد طالب صاحب کی قیادت میں ہم (چھ رُکنی وفد) نے تین روز ان کے ہاں سرجانی ٹاؤن میں قیام کیا۔

حاجی صاحب نے اپنے بیٹوں کے ساتھ مل کر خدمت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اِن کیلئے ہمارے پاس الفاظ نہیں بلکہ جذبات ہیں جنہیں بیان میں لانا ان کی ناقدری ہوگی۔ حاجی صاحب کی رفاقت میں ہم ساحل سمندر پر واقع مقام کیماڑی گئے وہاں سے کشتیوں پر منوڑا پہنچے۔ اِس جگہ ساحل سمندر پر خوبصورت مناظر سے محظوظ ہوئے اور بارش میں آم اور کھجوروں سے لمحات کو یادگار بنایا۔ دوسرے روز کراچی چڑیا گھر، مزارِ قائد اور بیشتر بازاروں کی سیر کی اور خریداری کی۔ تیسرے روز محترم حاجی صاحب نے ہمیں ریلوے اسٹیشن تک پہنچانا چاہا مگر بارش کی وجہ سے گاڑی اسٹیشن سے پہلے ہی رُک گئی اور اُنہوں نے ہمیں رُخصت کیا۔

اِس طرح کراچی کا یہ پروگرام پرخلوص جذبات سے لبریز دلی دعاؤں اور یادگار نقوش کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ برادران سلسلہ اپنے اپنے شیڈول کے مطابق اپنے شہروں کو واپس لوٹے۔ بابا جی نے مولوی یعقوب صاحب کے ہمراہ 2، اگست بروز بدھ کو کراچی سے لاہور تک ہوائی سفر کیا۔ ائرپورٹ پر ان کے استقبال کیلئے لاہور والے شیخ محمد اسلم صاحب اور گوجرانوالہ والے بابو محمد انور صاحب موجود تھے۔ مولوی یعقوب صاحب تو شیخ صاحب کے ساتھ چلے گئے اور بابا جی انور صاحب کے ہمراہ گوجرانوالہ کیلئے روانہ ہوئے اور الحمدللہ ڈیڑھ بجے دوپہر مرکز تعمیر ملت پر پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اِس چھوٹے سے بابرکت اجتماع کے انعقاد سے کراچی کے پرخلوص بھائیوں کی آرزو پوری ہوئی۔ جن بھائیوں نے اللہ کی توفیق سے محض اللہ تعالیٰ کی محبت کیلئے یہ سفر کیا وہ اِس اجتماع کی برکات اور کیفیات کو مدتوں یاد رکھیں گے۔

مذہب اور جدید چیلنج

(مولانا وحیدالدین خاں)

ساری معلوم دنیا کے اندر صرف انسان ایک ایسا وجود ہے جو کل (TOMORROW) کا تصور رکھتا ہے، یہ صرف انسان کی خصوصیت ہے کہ وہ مستقبل کے بارے میں سوچتا ہے اور آئندہ حالات کو بہتر بنانا چاہتا ہے، اِس میں شک نہیں کہ بہت سے جانور بھی "کل" کیلئے عمل کرتے ہیں۔ مثلاً چونٹیاں گرمی کے موسم میں جاڑے کیلئے خوراک جمع کرتی ہیں، یا بیا اپنے آئندہ پیدا ہونے والے بچوں کیلئے گھونسلا بناتا ہے، مگر جانوروں کا اِس قسم کا عمل محض جبلت کے تحت غیر شعوری طور پر ہوتا ہے، وہ "کل" کی ضرورتوں کو سوچ کر بالقصد ایسا نہیں کرتے، بلکہ بلا ارادہ طبعی طور پر انجام دیتے ہیں، اور بطور نتیجہ وہ اِن کے مستقبل میں انہیں کام آتا ہے۔ "کل" کو ذہن میں رکھ کر اِس کی خاطر سوچنے کیلئے تصوری فکر (Conceptual Thought) کی ضرورت ہے اور یہ صرف انسان کی خصوصیت ہے کسی دوسرے جاندار کو تصوری فکر کی خصوصیت حاصل نہیں۔

انسان اور دوسری مخلوقات کا یہ فرق ظاہر کرتا ہے کہ انسان کو دوسری تمام چیزوں سے زیادہ مواقع ملنے چاہئیں، جانوروں کی زندگی صرف آج کی زندگی ہے، وہ زندگی کا کوئی "کل" نہیں رکھتے مگر انسان کا مطالعہ صاف طور پر بتاتا ہے کہ اِس کیلئے ایک "کل" ہونا چاہئے، ایسا نہ ہونا نظامِ فطرت کے خلاف ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ موجودہ زندگی میں ہماری ناکامیاں، عام طور پر، ہم کو اِس سے بہتر ایک زندگی کی توقع کی طرف لے جاتی ہیں، ایک خوشحال فضا میں ایسا عقیدہ باقی نہیں رہ سکتا، روم کے غلام و مثال کے طور پر، بہت بڑی تعداد میں عیسائی ہو گئے، کیونکہ عیسائیت اِن کو آسمان میں خوشی حاصل ہونے کی توقع دلاتی تھی، یہ یقین کیا جاتا ہے کہ سائنس کی ترقی سے انسان کی خوشحالی بڑھے گی، اور بالآخر دوسری زندگی کا تصور ختم ہو جائے گا۔

مگر سائنس اور ٹکنالوجی کی چارسو سالہ تاریخ اِس کی تصدیق نہیں کرتی، ٹیکنالوجی کی ترقی نے سب سے پہلے دنیا کو جو چیز دی وہ یہ تھا کہ سرمایہ رکھنے والے محدود گروہ کو ایسے وسائل و ذرائع ہاتھ آ گئے جس کے بل پر وہ چھوٹے کاریگروں اور پیشہ وروں کو ختم کر کے دولت کا تمام بہاؤ اپنی

طرف کرئیس اور عام باشندوں کو محض اپنا محتاج مزدور بنا کر رکھ دیں۔ اِس انجام کے ہولناک مناظر مارکس کی کتاب "کیپٹل" میں تفصیل کے ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں، جو گویا اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے اِس مزدور طبقہ کی چیخ ہے، جس کو مشینی نظام نے اپنے ابتدائی دور میں جنم دیا تھا۔ اِس کے بعد ردِ عمل شروع ہوا اور مزدور تحریکوں کی ایک صدی کی کوشش سے اب حالات بہت کچھ بدل چکے ہیں، مگر یہ تبدیلی صرف ظاہر کی تبدیلی ہے، بیشک آج کا مزدور پہلے کے مزدور کے مقابلے میں زیادہ اُجرت پاتا ہے، لیکن جہاں تک حقیقی خوشی کی دولت کا تعلق ہے، اِس معاملے میں وہ اپنے پیش رووں سے بھی زیادہ محروم ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے جو نظام بنایا ہے، وہ کچھ مادی خواہر انسان کو دے دے، مگر خوشی اور اطمینان قلب کی دولت پھر بھی اسے نہیں دیتا، تہذیب جدید کے انسان کے بارے میں بلیک (BLAKE) کے یہ الفاظ نہایت صحیح ہیں:۔

A MARK IN EVERY FACE I MEET, MARKS OF WEAKNESS, MARKS OF WOE".

برٹرنیڈرسل نے اعتراف کیا ہے کہ "ہماری دنیا کے جانور خوش ہیں، انسانوں کو بھی خوش ہونا چاہیے، مگر جدید دنیا میں انہیں یہ نعمت حاصل نہیں"۔

(CONQUEST OF HAPPINESS,P.II)

بلکہ رسل کے الفاظ میں اب تو صورت حال یہ ہے کہ لوگ کہنے لگے ہیں کہ اِس کا حصول ممکن ہی نہیں:۔

"HAPPINESS IN THE MODERN WORLD HAS BECOME AN IMPOSSIBILITY" (P.93)

نیویارک جانے والا ایک سیاح ایک طرف تو اسٹیٹ بلڈنگ جیسی عمارتوں کو دیکھتا ہے، جس کی ۱۰۲ منزلیں ہیں اور جو اتنی اونچی ہے کہ اِس کا اوپر کا ٹمپریچر نیچے کے مقابلے میں کافی سرد ہو جاتا ہے، اِس کو دیکھ کر اُتریں تو یہ مشکل ہی سے یقین آئے گا کہ آپ اِس پر گئے تھے، ۱۲۵۰ فٹ بلند عمارت پر چڑھنے میں لفٹ کے ذریعہ صرف تین منٹ لگتے ہیں، ان عالی شان عمارتوں کو دیکھ کر وہ کلب میں جاتا ہے، وہاں وہ دیکھتا ہے کہ عورت مرد سب مل مل کر خوب ناچ رہے ہیں، کتنے خوش نصیب ہیں یہ لوگ، وہ سوچتا ہے، مگر زیادہ دیر گزرنے نہیں پاتی کہ اِس جھنڈ میں سے ایک نوجوان عورت آ کر اس کے پاس کی نشست پر بیٹھ جاتی ہے، وہ بہت افسردہ ہے۔

"سیاح! کیا میں بہت بدصورت ہوں" عورت کہتی ہے۔

"میرا خیال تو ایسا نہیں ہے"۔

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں رعنائی (GLAMOUR) نہیں ہے"۔

"میرے خیال میں تو تم میں گلے مرہے"۔

"شکریہ۔ لیکن اب نہ مجھے نوجوان ٹیپ (TAP) کرتے ہیں، اور نہ ڈیٹ (DATE) مانگتے ہیں، مجھے زندگی ویران نظر آنے لگی ہے"۔

یہ جدید دور کے انسان کی ایک ہلکی سی جھلک ہے، حقیقت یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے صرف مکانوں کو ترقی دی ہے، اس نے مکینوں کے دل کا سکون چھین لیا ہے، اس نے شاندار مشینیں کھڑی کی ہیں، مگر ان مشینوں میں کام کرنے والے انسانوں کو چین سے محروم کردیا ہے، یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ۴ سو سالہ تاریخ کا آخری انجام ہے، پھر کس بنیاد پر یقین کرلیا جائے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی وہ سکون اور مسرت کی دنیا بنانے میں کامیاب ہوگی جس کی انسان کو تلاش ہے۔

۲۔ اب اخلاقی تقاضے کو لیجئے، اس حیثیت سے جب ہم دیکھتے ہیں تو دنیا کے حالات شدید طور پر اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ اس کی ایک آخرت ہو، اس کے بغیر ساری تاریخ بالکل بے معنی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ہمارا ایک فطری احساس ہے کہ ہم خیر اور شر، ظلم اور انصاف میں تمیز کرتے ہیں، انسان کے سوا کسی بھی مخلوق کے اندر یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی، مگر انسان ہی کی دنیا وہ دنیا ہے، جہاں اس احساس کو سب سے زیادہ پامال کیا جارہا ہے، انسان اپنے ابنائے نوع پر ظلم کرتا ہے، وہ اس کو لوٹتا ہے، اس کو قتل کرتا ہے، اور طرح طرح سے اس کو تکلیف پہنچاتا ہے، حالانکہ جانوروں تک کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی نوع کے ساتھ سفاکی نہیں کرتے، بھیڑیے اور شیر اپنی نوع کیلئے بھیڑیے اور شیر نہیں ہیں، مگر انسان خود انسان کیلئے بھیڑیا بنا ہوا ہے، بیشک انسانی تاریخ میں حق شناسی کی چنگاریاں بھی ملتی ہیں، اور وہ بہت قابل قدر ہیں، مگر اس کا بڑا حصہ حق تلفی کی روداد سے بھرا ہوا ہے، مورخ کو بڑی مایوسی ہوتی ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ انسان کا ضمیر جو کچھ چاہتا ہے دنیا کے واقعی حالات اس کے خلاف ہیں، یہاں میں چند اقوال نقل کروں گا۔

والٹیر:۔ "انسانی تاریخ محض جرائم اور مصائب کی ایک تصویر ہے"۔

ہربرٹ اسپنسر:۔ ''تاریخ محض بے فائدہ گپ ہے''۔
نپولین:۔ ''تاریخ تمام کی تمام لایعنی قصے کا نام ہے''۔
اڈورڈ گبن:۔ ''انسانیت کی تاریخ جرائم، حماقت اور بدقسمتی کے رجسٹر سے کچھ ہی زیادہ ہے''
ہیگل:۔ ''پبلک اور حکومت نے تاریخ کے مطالعہ سے جو واحد چیز سیکھی ہے، وہ صرف یہ کہ انہوں نے تاریخ سے کچھ نہیں سیکھا''۔

(Western Civilisation" By Edward Mcnall Burns, P.871)

کیا انسانیت کا یہ عظیم الشان ڈراما اسی لئے کھیلا گیا تھا کہ وہ اس طرح کی ایک ہولناک کہانی وجود میں لا کر ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے، ہماری فطرت جواب دیتی ہے کہ نہیں، انسان کے اندر عدل وانصاف کا احساس تقاضا کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا اور نہ ایسا ہونا چاہیے، ایک دن ایسا آنا ضروری ہے جب حق اور ناحق الگ ہو، ظالم کو اس کے ظلم کا اور مظلوم کو اس کی مظلومیت کا بدلہ ملے، یہ ایک ایسی طلب ہے، جس کو اسی طرح تاریخ سے الگ نہیں کیا جا سکتا جس طرح اسے انسان سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

فطرت اور واقعہ کا یہ تضاد بتاتا ہے کہ اس خلا کو لازماً پر ہونا چاہیے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونا چاہیے، دونوں کا فرق ثابت کرتا ہے کہ ابھی زندگی کے ظہور کا کوئی اور اسٹیج باقی ہے، یہ خلا پکار رہا ہے کہ ایک وقت ایسا ہونا چاہیے، جب دنیا کی تکمیل ہو، مجھے حیرت ہے کہ لوگ ہارڈی کے فلسفہ پر ایمان لا کر دنیا کو ظلم اور بے رحمی کی جگہ سمجھنے لگتے ہیں، مگر یہی ظالمانہ صورتِ حال انہیں اس یقین کی طرف نہیں لے جاتی کہ جو کچھ آج موجود نہیں ہے، مگر عقل جس کا تقاضا کرتی ہے، اسے کل وقوع میں آنا چاہیے۔

''قیامت نہ ہو تو ان شیاطین کا سر کون توڑے''۔ یہ فقرہ اکثر ایک دردناک آہ کے ساتھ اس وقت میری زبان سے نکل جاتا ہے، جب میں اخبار میں پڑھتا ہوں، اخبار گویا دنیا کے روزانہ حالات کی ایک تصویر ہے، مگر اخبار ہمیں دنیا کے حالات کے بارے میں کیا بتاتے ہیں، وہ اغوا اور قتل کی خبریں دیتے ہیں، چوری اور الزام تراشی کی داستانیں سناتے ہیں، سیاسی تجارت اور تاجرانہ سیاست کے جھوٹے پروپیگنڈے ہمارے دماغوں میں بھرتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ فلاں حکمراں نے اپنے ماتحت کمزوروں کو دبا لیا، فلاں قوم نے قومی مفاد کیلئے فلاں علاقے پر قبضہ کر لیا،

غرض اخبار، درویش اور سلطان کی عیاریوں کی داستان کے سوا اور کچھ نہیں اور ماضی قریب میں ہندوستان میں ہونے والے حادثات خاص طور پر جبل پور، کلکتہ، جمشید پور اور راوڑ کیلا کی قتل و غارت گری کے بعد تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس دنیا میں کسی بھی قابل قیاس یا ناقابل قیاس بدترین برائی کو ناممکن نہیں سمجھنا چاہئے، ایک قوم سیکولرزم، جمہوریت اور اہنسا کی علمبردار بن کر وحشیانہ فرقہ واریت، سفاکانہ آمریت اور بدترین تشدد کا ارتکاب کر سکتی ہے، ایک لیڈر جس کو محسن انسانیت اور پیغمبر امن وامان کا خطاب دیا گیا ہو عین اِس کے اقتدار میں انسانیت کے اوپر ایسے شرمناک مظالم کئے جا سکتے ہیں، جن سے چیتے اور بھیڑیے اور جنگلی سور بھی پناہ مانگیں، حتیٰ کہ نشر و اشاعت کے اِس دور میں یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے ایک بہت بڑے ملک میں بہت بڑے پیمانے پر کھلم کھلا ایک گروہ کو لوٹنے، جلانے اور قتل کرنے کے انتہائی بھیانک واقعات نہایت منظم طریقے پر ہوں اور مہینوں اور سالوں ہوتے رہیں، مگر اِس کے باوجود دنیا کا پریس ان سے بے خبر ہو اور تاریخ کے صفحات سے وہ اِس طرح محو ہو جائیں گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ کیا یہ دنیا اِسی لئے بنائی گئی تھی کہ مکاری شیطنت، درندگی اور ڈاکہ زنی کے اِن ہولناک ڈراموں کا بس ایک اسٹیج بن کر رہ جائے اور اِس کے بعد نہ ظالم کیلئے کچھ ہو اور نہ مظلوم کیلئے کچھ۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسی دنیا خود اپنے سارے وجود کے ساتھ اِس بات کا اعلان ہے کہ وہ نامکمل ہے اور اِس کی تکمیل ہونا اِس بات کا ثبوت ہے کہ ایک وقت آنا چاہئے جب وہ مکمل کی جائے۔

اِس بات کو ایک اور پہلو سے دیکھئے، قدیم ترین زمانے سے انسان کے سامنے یہ مسئلہ رہا ہے کہ لوگوں کو حق وصداقت کی راہ پر کیسے قائم رکھا جائے۔ اگر اِس مقصد کیلئے تمام افراد کے مقابلے میں کچھ لوگوں کو سیاسی اختیار دیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اِن کے ماتحت ان کی گرفت کے خوف سے زیادتیاں نہ کریں۔ مگر اِس تدبیر میں خود ان صاحب اختیار افراد کو عدل پر قائم رکھنے کا کوئی محرک موجود نہیں ہے، اگر اس مقصد کیلئے قانون بنایا جائے اور پولیس کا محکمہ قائم ہو تو اِن مقامات اور مواقع پر آدمی کو کون کنٹرول کرے جہاں پولیس اور قانون نہیں پہنچتے اور نہیں پہنچ سکتے۔ اگر اپیل اور پروپیگنڈے کی مہم چلائی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ محض کسی کی اپیل کی بنا پر کوئی شخص اپنے ملتے ہوئے فائدے کو کیوں چھوڑ دے گا، دنیا کی سزا کا خوف بدعنوانیوں کو ہرگز روک نہیں سکتا، کیونکہ ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ جھوٹ، رشوت، سفارش، اثرات کا ناجائز استعمال اور اسی قسم

کے دوسرے بہت سے ذرائع موجود ہیں جو سزا کے ہر امکان کو یقینی طور پر ختم کر سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی ایسا محرک ہی بدعنوانیوں کو روکنے میں کارگر ہو سکتا ہے جو انسان کے اپنے اندر موجود ہو، جو انسان کے اپنے ارادے میں شامل ہو جائے خارجی محرک کبھی اس معاملے میں کامیاب نہیں ہو سکتا، اور یہ بات صرف آخرت کے تصور میں ممکن ہے، آخرت کے نظریے میں ایک ایسا محرک موجود ہے جو بدعنوانیوں سے بچنے کے مسئلے کو ہر شخص کا اپنا مسئلہ بنا دیتا ہے، وہ ہر شخص کیلئے یکساں اہمیت رکھتا ہے، خواہ وہ ماتحت ہو یا افسر، اندھیرے میں ہو یا اُجالے میں، ہر شخص یہ سوچنے لگتا ہے کہ اسے خدا کے یہاں جانا ہے، اور ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے، اور اس سے لازماً باز پرس کرے گا، مذہبی عقیدے کی اِسی اہمیت کی بنا پر سترھویں صدی کے آخر کے ایک مورخ میتھو ہیل (MATHEW HALOS) نے کہا ہے:۔

''یہ کہنا کہ مذہب ایک فریب ہے، ان تمام ذمہ داریوں اور پابندیوں کو منسوخ کرنا ہے جس سے سماجی نظم کو برقرار رکھا جاتا ہے''۔

(RELIGION WITHOUT REVELATION, P.115)

نظریہ آخرت کا یہ پہلو کتنا اہم ہے، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بہت سے لوگ جو خدا پر یقین نہیں رکھتے، جو اِس بات کو بطور ایک حقیقت واقعہ نہیں مانتے کہ کوئی فیصلہ کا دن آنے والا ہے، وہ بھی تاریخ کے تجربے کی بنا پر ماننے پر مجبور ہوئے ہیں کہ اِس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے جو انسان کو قابو میں رکھ سکتی ہو اور ہر حال میں میں اِس کو عدل و انصاف کی روش پر قائم رہنے کیلئے مجبور کر سکے، مشہور جرمن فلسفی کانٹ نے خدا کے تصور کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ اِس کی موجودگی کا کوئی تسلی بخش ثبوت ہم کو نہیں ملتا، اِس کے نزدیک نظری معقولیت (THEORETICAL REASON) تو یقیناً مذہب کے حق میں نہیں ہے، مگر اخلاقی پہلو سے مذہب کی عملی معقولیت (PRACTICAL REASON) کو وہ تسلیم کرتا ہے، والٹیر (VOLTAIRE) کسی مابعد الطبیعی حقیقت کو نہیں مانتا، مگر اس کے نزدیک:۔

''خدا اور دوسری زندگی کے تصور کی اہمیت اِس لحاظ سے بہت زیادہ ہے کہ وہ اخلاقیات کیلئے مفروضے (POSTULATES OF THE MORAL FEELING) کا کام دیتے ہیں، اِس کے نزدیک صرف اِسی کے ذریعہ سے بہتر اخلاق کی فضا پیدا کی جا سکتی ہے، اگر یہ عقیدہ ختم ہو

جائے تو حسن عمل کیلئے کوئی محرک باقی نہیں رہتا اور اس طرح سماجی نظم کا برقرار رہنا ناممکن ہو جاتا ہے"۔ (History of Pholosophy by windelband, P.496)

جو لوگ آخرت کو ایک فرضی تصور کہتے ہیں، ان کو سوچنا چاہئے کہ آخرت اگر فرضی ہے تو ہمارے لئے اِس قدر ضروری کیوں ہے، کیوں ایسا ہے کہ اس کے بغیر ہم صحیح معنوں میں کوئی سماجی نظام بنا ہی نہیں سکتے، انسانی ذہن سے اِس تصور کو نکالنے کے بعد کیوں ہماری ساری زندگی ابتر ہو جاتی ہے، کیا کوئی فرضی چیز زندگی کیلئے اس قدر ناگزیر ہو سکتی ہے، کیا اِس کائنات میں ایسی کوئی مثال پائی جاتی ہے، کہ ایک چیز حقیقت میں موجود نہ ہو مگر اس کے باوجود اس قدر حقیقی بن جائے، زندگی سے اِس کا کوئی تعلق نہ ہو مگر اس کے باوجود زندگی سے اتنی متعلق نظر آئے، زندگی کی صحیح اور منصفانہ تنظیم کیلئے آخرت کے تصور کا اِس قدر ضروری ہونا خود یہ ظاہر کرتا ہے کہ آخرت اس دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے، بلکہ اگر میں یہ کہوں تو اِس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ تصور آخرت کے حق میں استدلال کا یہ ایک ایسا پہلو ہے، جو اِس نظریے کو لیبارٹری ٹسٹ کے معیار پر صحیح ثابت کر رہا ہے۔

۳۔ اب ایک اور پہلو سے دیکھئے جس کو میں "کائناتی تقاضا" کہتا ہوں، پچھلے باب میں میں نے کائنات میں خدا کے وجود پر بحث کی ہے، اس سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ عین علمی اور عقلی مطالعہ ہی کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اِس کائنات کا ایک خدا مانیں، اب اگر اس دنیا کا کوئی خدا ہے تو یقیناً بندوں کے ساتھ اِس کے تعلق کو ظاہر ہونا چاہیے۔ یہ کب ظاہر ہوگا، جہاں تک موجود دنیا کا معاملہ ہے، یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، کہ آج یہ تعلق ظاہر نہیں ہو رہا ہے، آج جو شخص خدا کا منکر ہے، اور کھلے عام یہ اعلان کرتا ہے کہ "میں خدا سے نہیں ڈرتا" اِس کو لیڈری اور حکومت حاصل ہو جاتی ہے، اس کے برعکس جو خدا کے بندے خدا کا کام کرنے کیلئے اُٹھتے ہیں، ان کی سرگرمیوں کو وقت کا اقتدار غیر قانونی قرار دے دیتا ہے، جو لوگ خدا کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ہمارا راکٹ چاند تک گیا اور راستہ میں اس کو کہیں خدا نہیں ملا"۔ ان کے نظریات کو پھیلانے کیلئے بے شمار ادارے کام کر رہے ہیں، اور پورے پورے ملکوں کے ذرائع و وسائل ان کی خدمت کیلئے وقف ہیں اور جو لوگ خدا اور مذہب کی بات پیش کر رہے ہیں، اِن کو تمام ماہرین اور علمائے وقت رجعت پسند اور ماضی کے اندھیرے میں بھٹکنے والا کہہ کر رد کر دیتے ہیں، لوگ پیدا ہوتے ہیں اور

مر جاتے ہیں، قومیں بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں، انقلابات آتے ہیں، اور چلے جاتے ہیں، سورج نکلتا ہے، اور ڈوب جاتا ہے، مگر خدا کی خدائی کا کہیں ظہور نہیں ہوتا، ایسی حالت میں سوال یہ ہے کہ ہم خدا کو مانتے ہیں یا نہیں، اگر ہم خدا کو مانتے ہیں تو ہمیں آخرت کو بھی ماننا پڑے گا، کیونکہ خدا اور بندوں کا تعلق ظاہر ہونے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔

ڈارون اِس دنیا کا ایک خالق (CREATPR) تسلیم کرتا ہے، مگر اِس نے زندگی کی جو تشریح کی ہے، اِس کے اندر خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا، اور نہ کائنات کے کسی ایسے انجام کی ضرورت معلوم ہوتی ہے، جہاں یہ تعلق ظاہر ہو، مجھے نہیں معلوم کہ ڈارون اپنے حیاتیاتی نقطۂ نظر کے اِس خلا کو کیسے پر کرے گا مگر میری عقل کو یہ بات نہایت عجیب معلوم ہوتی ہے کہ اِس کائنات کا ایک خدا تو ہو مگر دنیا سے اِس کا کوئی تعلق نہ ہو اور بندوں کے مقابلے میں اِس کی جو مالکانہ حیثیت ہے، وہ کبھی سامنے نہ آئے، اتنی بڑی کائنات پیدا ہو کر ختم ہو جائے اور یہ ظاہر نہ ہو کہ اِس کے وجود میں آنے کا مقصد کیا تھا، اور جس نے اِسے بنایا تھا، وہ کس قسم کی صفات رکھنے والی ہستی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر معقولیت کے ساتھ غور کیا جائے گا تو دل پکار اُٹھے گا کہ بے شک آخرت آنے والی ہے، بلکہ وہ آپ کو بالکل آتی ہوئی نظر آئے گی، آپ دیکھیں گے کہ حاملہ کے پیٹ میں جس طرح اس کا حمل باہر آنے کیلئے بیتاب ہو، اِسی طرح وہ کائنات کے اندر بوجھل ہو رہی ہے، اور قریب ہے کہ کسی بھی صبح و شام وہ انسانوں کے اوپر پھٹ پڑے۔

یسئلونك عن الساعة ایان مرساها ط قل انما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا ط تقلت فی السموات والارض ط لا تاتیکم الا بغتة ط (اعراف ۔ ۱۸۷)

یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کہاں ہے قیامت، کہو اس کا علم تو صرف خدا کو ہے، وہی اپنے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا، وہ زمین و آسمان میں بوجھل ہو رہی ہے وہ بالکل اچانک تم پر آپڑے گی۔

(جاری ہے)